نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پر مسافر پریشان بیٹھے ہیں

ماہنامہ

نقوش راہ

October 2022

پڑھ اپنے رب کے نام سے

★ تعلیم کے اسلامی اصول

★ علم کا مقام اور اہل علم کی ذمہ داریاں

★ فرقہ واریت کیا ہے؟

★ تعلیم نسواں کے باب میں اسلام کا انقلابی فیصلہ

★ شنگھائی تعاونی تنظیم کا سمرقند چوٹی اجلاس

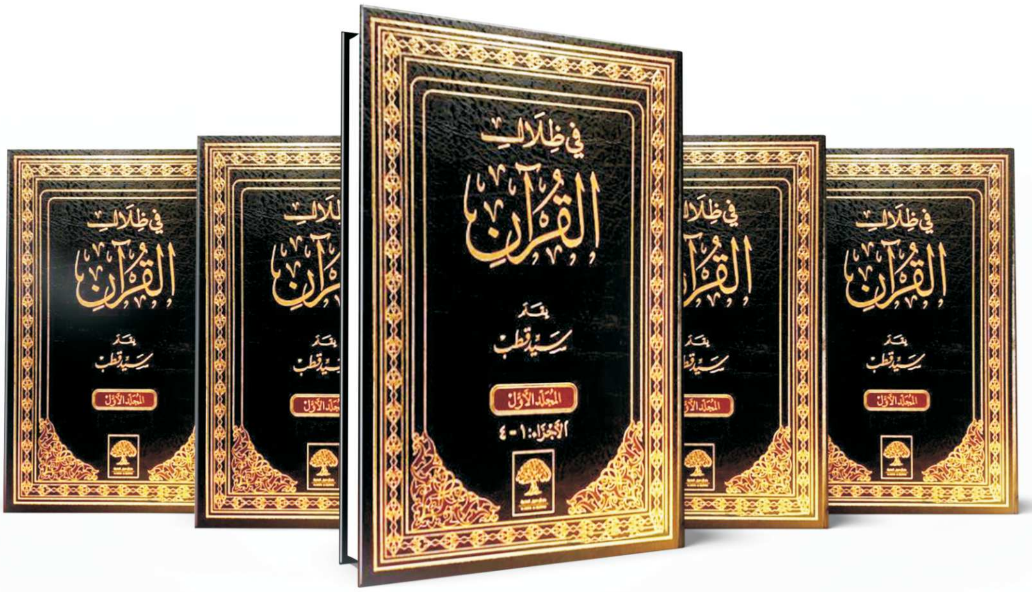

فی ظلال القرآن

مصری عالم دین سید قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں (جیل) میں لکھی جانے والی عربی زبان کی مایاناز تفسیر
کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ مولانا سید حامد علیؒ صاحب / مولانا مسیح الزماں فلاحی ندوی صاحب

اب 11 جلدوں میں شاندار طباعت کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے۔

- شُستہ ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر
- علمی ، فکری اور سائنٹفک تفسیر- دعوتی تزبیتی اور انقلابی تفسیر- وجدانی اور ادبی تفسیر
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے بہترین تفسیر
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج و زوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو
- اسلامی جماعت کے کارکنان کیلئے بہترین مشعل راہ
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور پر کشش ٹائٹل

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کیلئے ضرور منگائیں۔

ORDER NOW

اپنا آرڈر بک کرائیں

موبائل 9899693655
ای میل gpddelhi2018@gmail.com

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ (القرآن)

ماہنامہ

نقوش راہ

Islamic Youth Federation

اکتوبر 2022ء، صفر/ربیع الاول، ۱۴۴۴ھ

جلد: 05 شمارہ: 10

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

چیف ایڈیٹر

معاذ احمد جاوید

ایڈیٹر

ڈاکٹر محمد مبشر

معاون ایڈیٹر

اُسامہ عظیم فلاحی

مجلس ادارت

- پرویز نادر
- فیض الرحمٰن
- صابر محفوظ فلاحی

سرکولیشن منیجر

پرویز نادر

زرتعاون

فی شمارہ: -/20

سالانہ: -/220

Current A/c Name: Nukush E Rah
A/c No : 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

فہرست مضامین

اداریہ	معاذ احمد جاوید	04
درسِ قرآن	محمد عمار فلاحی	05
درسِ حدیث	صابر محفوظ فلاحی	07
شنگھائی تعاونی تنظیم کا سمرقند چوٹی اجلاس	مسعود ابدالی	10
مشرکین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا رویہ	پرویز نادر	13
رسالت محمدیؐ کی امتیازی حیثیت اور اس کا تقاضا	حافظ بلال غوری	17
تعلیم کے اسلامی اصول	پروفیسر خورشید احمد	20
علم کا مقام اور اہل علم کی ذمہ داریاں	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	24
فرقہ واریت کیا ہے؟	عبدالرحمن چاند پور۔	28
عظیم تحریکی شخصیات کی وفات	اسامہ عظیم فلاحی	32
بک ریویو: اسلام کا نظریۂ تعلیم	ابوالفیض اعظمیؔ	34
گوشۂ خواتین: تعلیم نسواں کے باب میں اسلام کا....	ثمرہ یعقوب فلاحی	38
گوشۂ اطفال: باغ جنت	مرزا اسلم بیگ	40
اقبالیات: مدرسہ	شیر خالد	42

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press, Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

اداریہ

اللہ تعالیٰ قرآن میں بیان کرتا ہے کہ ”ہم تمہیں ضرور خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔“ (البقرہ) یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک تنبیہ ہے، جو بندہ مومن کو غور کرنے کی دعوت دیتی ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ان عوامل کے زیر اثر آ کر آزمائش کا شکار ہو رہا ہے۔ یہ تنبیہ افراد اور گروہ دونوں پر صادق آتی ہے۔ ان میں سب سے شدید عامل خوف ہے۔ خوف کی نفسیات انسان کے اعمال اور معاملات کو ہی نہیں بلکہ اس کی سوچ وفکر کو بھی متاثر کرتی ہے۔ خوف کی کیفیت اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسانوں کے دلوں میں ودیعت کی جاتی ہے۔ جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کا خوف بندۂ مومن کے لیے سب سے بڑی حکمت ہے وہیں غیر اللہ کا خوف اس کے لیے ہلاکت کا باعث ہے۔ یہ خوف کی بیماری اتنی خطرناک چیز ہے کہ اگر ایک بار آدمی کو لاحق ہوگئی تو اس کے تمام جز وکل پر غالب آجاتی ہے۔ ہر دور کا باطل خوف کو ایک آلہ کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ ظلم وطغیان کی علامت سمجھے جانے والے فرعون کے بارے میں قرآن نے بیان کیا ہے کہ:

”(پھر دیکھو کہ) موسیٰؑ کو اس کی قوم میں سے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے نہ مانا، فرعون کے ڈر سے اور خود اپنی قوم کے سربرآوردہ لوگوں کے ڈر سے (جنہیں خوف تھا کہ) فرعون ان کو عذاب میں مبتلا کرے گا اور واقعہ یہ ہے کہ فرعون زمین میں غلبہ رکھتا تھا اور وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر رکتے نہیں ہیں۔“ (یونس)

یہ آیت بتاتی ہے کہ باطل طاقتوں کا خوف اتنی ہولناک چیز ہوتی ہے کہ عام آدمی تو کجا انبیاء کے ہم عصروں کو بھی حق گوئی سے باز رکھتی ہے۔ ہمارے ملک کا باطل بھی فرعون کی اس سنت پر گامزن ہے۔ اس کی جانب سے مسلمانوں کے اندر خوف و ہراس پروان چڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی جاری ہے۔ تمام واقعات اس انداز سے ترتیب دیے جا رہے ہیں کہ مسلمانوں کی بڑی اکثریت حالات کے آگے سپر ڈال دے۔ وہ گروہ جس کو دعوت دین جیسے اہم فریضہ کو ادا کرنا تھا اپنی دینی شناخت سے بھی سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو جائے۔ وہ امت جو ایک عالمی امت تھی، جو زمانہ کی امام بنا کر بھیجی گئی تھی، پوری طرح سے ایک باطل تہذیب میں اپنے آپ کو ضم کر دے۔ اس مقصد کے لیے مختلف حیلے بہانے اور فلسفے گھڑے جا رہے ہیں۔ ’فرعون‘ کا معاملہ تو واضح ہے لیکن ’اپنی ہی قوم کے سربرآوردہ لوگ‘ جب معاملات کو سمجھنے سے عاری ہوں، ایسے میں ’چند نوجوانوں‘ کے سوا باقی قوم سے امید کرنا لاحاصل ہے۔ موجودہ حالات میں ملی قیادت کی زبوں حالی سے یہ تصویر مزید ابھر کر آ رہی ہے۔ ملک کے اکابرین کہیں باطل کے نمائندوں کی تعریف اور توصیف بجالاتے ہیں یا کبھی ان کو سند جواز فراہم کرتے نظر آتے ہیں۔ جن افراد اور گروہوں کی فطرت ہی ایسی ہے اور جن کے خمیر کی اٹھان اسی نہج پر ہوئی ہے ان سے تو اس کے علاوہ کچھ اور امید نہیں کی جاسکتی۔ لیکن جو گروہ اور تحریکیں اصولوں کی بنیاد پر بنیں اور چل رہی ہیں اگر ان کی جانب سے ایسی غلطی سرزد ہوتی ہے تو یہ بات انتہائی قابل گرفت ہے۔ گزشتہ ماہ ملک کی ایک مؤقر تنظیم کی جانب سے ایک پروگرام کے ذریعہ ’متحدہ قومیت‘ کی بحث کو دوبارہ تازہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ بھارت میں یہ بحث کوئی نئی نہیں ہے۔ بلکہ تقریباً ایک صدی یا اس سے بھی پہلے سے جاری ہے۔

ایک زمانہ تھا جب اس فتنہ میں بڑے بڑے شیخ الاسلام بہے چلے جا رہے تھے، اس وقت علامہ اقبال جیسی طاقت ور آواز نے اشعار کے ذریعہ اس فتنہ کا قلع قمع کیا۔ وہیں عصر حاضر کے مفکر ومجدد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے اپنے قلم کا پورا زور لگا دیا۔ ان دو عظیم شخصیات کی کاوشوں کا ہی نتیجہ ہے کہ یہ فتنہ تقریباً دم توڑ چکا ہے۔ چنانچہ بھارت میں رہ جانے والے مسلمان ابتدا سے ہی اپنے تہذیبی تشخص کی بقا کے لیے بھرپور کوشش کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ گنگا جمنی تہذیب جیسے جعلی نعروں کے ذریعہ سیکولر دانشوران نے بارہا ان کی تہذیبی شناخت اچکنے کی کوشش کی۔ چونکہ ان کو یہ بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ ان جھوٹے نعروں کا منطقی نتیجہ حق اور باطل کی آمیزش کے سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ باطل میں ضم ہونے کے بعد حق اپنا تشخص اسی طرح ضائع کر دے گا، جس طرح مسلم تہذیب کی علامت سمجھی جانے والی جمنا ہندو تہذیب کی علامت گنگا میں گھل مل جاتی ہے۔ تقسیم شدہ بھارت کی ستر سالہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ ملت اسلامیہ ہند نے مستقل زندگی اور بے داری کا ثبوت دیا ہے۔

لیکن آج پھر ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ امت کے تشخص کو اندرونی اور بیرونی خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔ ماضی کی طرح آج پھر کچھ مذہبی رہنما اور سیاسی قیادتیں اپنے مفاد کی خاطر مسلمانوں کو خود سپردگی کا زہر کھلانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ’متحدہ قومیت‘ جیسے مردہ نظریہ کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اس کے پیچھے حالات کا دباؤ اور باطل کا خوف کارفرما نظر آ رہا ہے۔ مذکورہ پروگرام کا جائزہ لینے سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے شاہین کو خاک بازی کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ ایک اصول پسند تنظیم، جو آج بھی غلبۂ دین اور اقامت دین کی داعی ہے، کی جانب سے اس طرح کی کوششیں امت کے لیے ایک سیاہ باب ہے۔ پروگرام میں ہونے والے مباحث کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں شامل مقررین نے داراشکوہ، رابندر ناتھ ٹیگور، موہن داس کرم چند گاندھی، مولانا آزاد، جواہر لعل نہرو وغیرہ کو مثالی شخصیات کے طور پر پیش کیا اور ان افراد کے نظریہ قومیت کی ستائش کی گئی۔ پروگرام میں ’بھارت بھاؤنا‘ (بھارتی جذبہ) کو جگانے کا نظریہ پیش کیا گیا اور مختلف مثالوں کے ذریعہ یہ بتایا گیا کہ ہمارا ایک Composite Culture یا مشترکہ تہذیبی ورثہ رہا ہے اور آج اسی ورثہ پر حملہ کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ ہم ایک متحدہ محاذ پر آئیں اور اس کا تحفظ کریں۔ غور کیا جائے تو یہ پروگرام سنگھ کے منصوبوں پر پورا اترتا نظر آ رہا ہے۔ چند ماہ قبل سنگھ کے نظریہ ساز رام مادھو نے ایک بیان میں یہ مطالبہ کیا تھا کہ مسلمان اگر تین نکات کو مان لیں تو ہم ان کو قبول کر سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ مسلمان اپنے الگ ملی وجود پر اصرار نہ کریں۔ یعنی دیگر بھارتی قوموں کے متحدہ وجود کا حصہ بن جائیں۔ حالانکہ سنگھ کے یہ عزائم پہلے سے ہی واضح ہیں۔ مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کے پیچھے یہی مقصد کارفرما ہے۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ آج بھی ملت ان حالات کو انگیز کر رہی ہے اور اپنی ایک الگ شناخت کے ساتھ زندہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے پروگراموں کے مخفی عزائم کو عوام کے سامنے واضح کیا جائے اور ان کے مہلک نتائج سے ان کو آگاہ کیا جائے۔

(معاذ احمد جاوید)

درسِ قرآن

محمد عمار فلاحی (جامعہ ملیہ اسلامیہ)

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَ رِیۡشًا ؕ وَ لِبَاسُ التَّقۡوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیۡرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّہُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ ۔ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡکُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ یَنۡزِعُ عَنۡہُمَا لِبَاسَہُمَا لِیُرِیَہُمَا سَوۡاٰتِہِمَا ؕ اِنَّہٗ یَرٰىکُمۡ ہُوَ وَ قَبِیۡلُہٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَہُمۡ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ لِلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ (الأعراف:۲۶-۲۷)

ترجمہ: ’’اے اولاد آدم، ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے کہ تمہارے جسم کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکنے اور تمہارے لئے جسم کی حفاظت اور زینت کا ذریعہ بھی ہو، اور بہترین لباس تقوی کا لباس ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، شاید کہ لوگ اس سے سبق لیں۔ اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں پھر اسی طرح فتنہ میں مبتلا کر دے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوایا تھا اور ان کے لباس ان پر سے اتروا دیئے تھے تا کہ ان کی شرمگاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھولے۔ وہ اور اس کے ساتھی ایسی جگہ سے تم کو دیکھتے ہیں جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیاطین کو ہم نے ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔‘‘

زمانہ نزول: سورہ اعراف مکی ہے اور انداز بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکی دور کے اواخر میں اس کا نزول ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مخلوقات میں اشرف کا درجہ عطا کیا ہے۔ اس امتیاز کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کی فطرت میں بہت ساری اعلی صفات و پاکیزگی کے جذبات ودیعت کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے مطالبہ ہے کہ وہ اپنی فطرت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر زندگی گزاریں اور خلاف فطرت کوئی عمل سر انجام نہ دیں۔ لیکن انسان اپنے ازلی دشمن شیطان کے بہکاوں اور وسوسوں کے سامنے زیر ہو جاتا ہے اور فطرت سے بغاوت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ستر پوشی اور زیب و زینت اختیار کرنا انسانی فطرت کے تقاضوں میں سے ہے، لہذا اس کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو لباس جیسی نعمت سے متعارف کروایا۔ لباس، ستر پوشی اور شرم و حیاء کا ذریعہ ہے، لیکن شیطان نے انسانوں کو ورغلا کر اسے بے حیائی، عریانیت اور فحاشی کا مظہر بنا دیا۔ اسی مناسبت سے مذکورہ بالا آیات میں لباس کی اہمیت اور غرض و غایت سے انسانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے تا کہ وہ اس ربانی ہدایت کے ذریعہ شیطانی حملوں کا مقابلہ کر سکیں۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں سے مخاطب ہو کر لباس کے دو مقاصد بتائے ہیں۔ ان میں پہلا اور بنیادی مقصد ستر پوشی ہے، گویا کہ خدا کی نگاہ میں مطلوب لباس وہی ہے جو انسان کی ستر پوشی اس انداز سے کرے کہ انسان کا مکمل ستر چھپ جائے اور کسی بھی صورت میں ظاہر نہ ہو، جس لباس سے پردے کا مقصد حاصل نہ ہو وہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

لباس کا دوسرا مقصد زینت و خوشنمائی فراہم کرنا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے لئے اتمام نعمت کا مظہر ہے کہ اس نے ہمارے لئے محض ستر پوش لباس کا ہی انتخاب نہیں کیا بلکہ ایسے

لباس کا انتخاب کیا ہے جو ستر چھپانے کے ساتھ ساتھ زیب و زینت اختیار کرنے کا بھی ذریعہ ہو اور جس سے ہماری شخصیت، ہمارے وقار، ہمارے حسن اور ہماری شان میں بھی اضافہ ہو۔ دین اسلام نے اپنے پیروکاروں کے لئے کسی مخصوص لباس کی تعیین نہیں کی ہے بلکہ مختلف ادوار و تہذیبوں میں مختلف قسم کے لباس ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں مذکورہ بالا دونوں صفات (ستر پوشی و خوشنمائی) پائی جائیں، بالفاظ دیگر اسلامی لباس کا معیار فقط ستر پوشی اور خوشنمائی ہے۔لہذا اگر کوئی ایسا لباس استعمال کرے جو اتنا تنگ یا باریک ہو کہ اعضاء جسم کو ظاہر کردے یا اتنا چھوٹا ہو کہ مکمل ستر چھپانے سے قاصر ہو اسی طرح سے وہ خواتین جو مردوں کے لباس زیب تن کریں یا وہ مرد جو خواتین کے لباس استعمال کریں وہ انسانی فطرت کے غدار ہیں اور حکم خداوندی سے عدولی کرنے والے ہیں، ایسے لوگوں کا انجام وہی ہوگا جو شیطان کے بہکاوے میں آکر اللہ رب العزت کی نافرمانی کرنے والوں کا ہوتا ہے۔

انسان کے ظاہری لباس کے معیار کی تلقین کے بعد اللہ تعالی نے انسانوں کے اس باطنی لباس کا تذکرہ کیا ہے جو دراصل اس ظاہری لباس کو اختیار کرنے کا محرک ہوتا ہے، وہ لباس تقوی کا لباس ہے۔تقوی کے لباس کا تعلق ظاہری لباس سے لازم وملزوم کا سا ہے، لباس تقوی جہاں ظاہری لباس کو مکمل ساتر ومزین کرتا ہے وہیں دل کی کدورتوں کو بھی دور کرتا ہے، انسان کے ظاہر و باطن کو فخر و غرور اور تکبر وریا کی آلائش سے پاک کرتا ہے،نفس انسانی کا حد سے تجاوز کرنے اور محرمات کا ارتکاب کرنے میں حد فاصل ہوتا ہے۔اگر کوئی شخص لباس تقوی میں ملبوس نہ ہو تو ظاہری لباس بھی اسکی عریانیت کو چھپا نہیں سکتا۔یہی لباس تقوی اصل مقصود و مطلوب ہے، اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن بھی۔اور یہ لباس حیاء، خشیت الہی، احساس عبدیت اور اللہ کے اوامر پر عمل پیرا ہونے و نواہی سے اجتناب کرنے پر حاصل ہوتا ہے۔قرآن مجید نے متعدد مقامات پر آفاق و انفس میں پھیلی ہوئی اللہ کی ان نشانیوں پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے جس کے ذریعہ ہر متلاشی حق اس حقیقت تک رسائی کرسکتا ہے جس سے لوگوں کو متنبہ کرنا بعثتِ انبیاء کا مقصد رہا ہے۔انھیں نشانیوں میں سے لباس بھی ہے، لباس کی فطرت کے ساتھ مطابقت وموافقت کو بنظر غائر دیکھنے پر اس امر کا خلاصہ ہوتا ہے کہ لباس اللہ تعالیٰ کی کس قدر اہم نشانی ہے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت آدم وحواء کے اس واقعہ کو ذکر کر رہا ہے جس کی تفصیل سورہ بقرہ میں موجود ہے کہ کس طرح شیطان نے اپنی گہری شازش کے ذریعہ حضرت آدم اور حواء کو بے لباس کردیا، شیطان کی وسوسہ اندازی کے نتیجہ میں ان سے لغزش سرزد ہوگئی اور فوراً انھوں نے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کیا۔

اس واقعہ میں نوع انسانی کے لئے یہ یاد دہانی ہے کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں ہرگز نہ آئیں اور ایسے نظام اور رسم و رواج کی ہرگز پیروی نہ کریں جو بے پردگی اور بے لباسی کی علمبردار ہوں۔ ہر وہ تحریک جو عریانیت کی دعوت دے یا بے لباسی کی تعریف کرے وہ شیطانی تحریک ہے اور ہمیں اس سے بچنا ہے اور دوسروں کو بھی بچانا ہے۔

قصہ آدم کا ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اگر انسان کبھی تقاضۂ بشریت سے مغلوب ہو کر شیطان کے بہکاوے میں آجائے اور اس سے کسی معاملہ میں اللہ کی نافرمانی سرزد ہو جائے تو وہ آدمؑ کے اسوہ کو اپناتے ہوئے فوراً بارگاہ خدا میں اپنی توبہ پیش کرے اور دوبارہ اس غلطی کی طرف نہ پلٹنے کا عہد کرے۔

اس کے بعد اللہ تعالی انسانوں کو متنبہ کررہا ہے کہ شیطان اور اس کے ساتھی ہر آن اور ہر لمحہ لوگوں کو بہکانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اور ہر وہ طریقہ اپناتے ہیں جس سے انسان دھوکہ کھا جائے بلکہ غلط کو اس طرح مزین کرکے پیش کرتے ہیں کہ اس کی قباحت نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔اور سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ شیطان اور شیطانی فطرت کے حاملین لوگوں کو راہ راست سے دور کرنے کے لیے کیا کچھ سازشیں کررہے ہوتے ہیں ہمیں معلوم نہیں ہوتا ہے۔لہذا ہمیں مزید اس سلسلے میں چوکنا اور ہوشیار رہنا ہے، ہر طرح سے بیداری کا ثبوت دینا ہے۔ کیونکہ دشمن کا حملہ اسی وقت کامیاب ہوتا ہے جب مدمقابل غفلت کا شکار ہو۔ چنانچہ ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر وہ تدبیر اپنائیں جس سے ہم شیطانی حملوں کو روک سکیں، اس میں سب سے کارگر تدبیر یہ ہیکہ اللہ تعالی پر حقیقی معاملہ میں ایمان لایا جائے، ایمان کے تقاضہ کو پورا کیا جائے اور مومنانہ صفات

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

درسِ حدیث

صابر محفوظ فلاحی

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ

علم کا مقصد اور اس کی اہمیت

عن أبي الدرداء رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: »مَنْ سَلَكَ طريقا يَبْتَغي فيه عِلْما سَهَّل الله له طريقا إلى الجنة، وإنَّ الملائكة لَتَضَعُ أَجْنِحَتها لطالب العلم رضًا بما يَصنَع، وإنَ العالم لَيَسْتَغْفِرُ له مَنْ في السماوات ومَنْ في الأرض حتى الحيتَانُ في الماء، وفضْلُ العالم على العَابِدِ كَفَضْلِ القمر على سائِرِ الكواكب، وإنَّ العلماء وَرَثَةُ الأنبياء، وإنَّ الأنبياء لم يُوَرِّثُوا دينارا ولا دِرْهَماً وإنما وَرَّثُوا العلم، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بحَظٍّ وَافر۔

حضرت ابو درداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو علم حاصل کرنے کے لئے راہ طے کرتا ہے اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ فرشتے طالب علم کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔ عالم کے لئے آسمان و زمین کی ہر چیز مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی۔ عالم کی فضیلت عبادت گزار پر ایسی ہے جیسے چاند کی فضیلت دوسرے ستاروں پر۔ اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ بے شک انبیاء دینار و درہم وراثت میں نہیں چھوڑتے بلکہ علم چھوڑ کر جاتے ہیں۔ جس نے اس علم کو حاصل کیا تو اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کر لیا۔

مذکورہ بالا حدیث طلب علم کی فضیلت بیان کر رہی ہے۔

عالم پڑھے لکھے لوگوں کو کہتے ہیں، چاہے اس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی ہو یا حدیث کی، فقہ کی یا کلام و منطق کی، سائنس کی ڈگری لی ہو یا میڈیکل سائنس کی، نیچرل سائنس پڑھا ہو یا آرٹس کے مضامین، سارے کے سارے پڑھے لکھے لوگوں میں شمار کیے جائیں گے۔ یہ ایسی چیز ہے جو انسان کو ہمیشہ کام آئے گی۔ مقصد نیک ہو اور پھر اس کا صحیح استعمال کیا جائے تو اس کی بدولت عالم دین و دنیا کی ساری نعمت اور دولت حاصل کر سکتا ہے۔

علم کی فضیلت اور اس کو حاصل کرنے کی ترغیب کے حوالے سے کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں اہل علم کی ستائش کی گئی ہے اور انہیں انسانیت کا سب سے بہتر گروہ قرار دیا گیا ہے۔:

عن معاوية رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين" (متفق عليه)

معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ (متفق علیہ)

عن ابن عمر رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "لا حسد إلا في اثنتين: رجل آتاه الله القرآن، فهو يقوم به آناء الليل و آناء النهار، ورجل آتاه الله مالا، فهو ينفقه آناء الليل و آناء النهار"

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "حسد صرف دو صورتوں میں جائز ہے؛ ایک تو یہ کہ کسی آدمی کو اللہ تعالی قرآن سے نوازے اور وہ دن رات اس (کی تلاوت اور تعلیم و

تدریس) میں لگا رہے اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ مال عطا کرے اور وہ دن رات اسے (وجوہ خیر میں) خرچ کرتا رہے"۔

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله قال "من سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له طريقا إلى الجنة" (رواه مسلم)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے پر چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔" (مسلم)

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: "علم والوں کو دوسروں کے مقابلے میں ایسی ہی فضیلت حاصل ہے، جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر۔ یقیناً اللہ عزوجل، اس کے فرشتے اور آسمان و زمین والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلیاں تک علم حاصل کرنے والوں کے لیے بھلائی کی دعا کرتی ہیں۔"

(ریاض الصالحین)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے اور مسجد (نبوی) میں داخل ہوئے، وہاں دو حلقے بیٹھے ہوئے تھے، ایک حلقہ قرآن کی تلاوت کر رہا تھا اور اللہ سے دعا کر رہا تھا، دوسرا تعلیم و تعلم کا کام سرانجام دے رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: "دونوں بھلائی پر ہیں۔ یہ حلقہ قرآن پڑھ رہا ہے اور اللہ سے دعا کر رہا ہے۔ اللہ چاہے تو اس کی دعا قبول فرمائے یا نہ فرمائے۔ دوسرا حلقہ تعلیم و تعلّم میں مشغول ہے (یہ زیادہ بہتر ہے) اور میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر یہیں بیٹھ گئے۔" (مشکوۃ)

اہل علم کا صرف یہی مقام و مرتبہ نہیں ہے کہ انہیں دنیا کی تمام چیزوں پر فضیلت دی گئی ہے اور اس کام میں وہ جب تک مصروف ہیں، اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اس کے لیے دعا کرتی رہتی ہیں بلکہ ان کا مقام و مرتبہ یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے انہیں انبیائے کرامؑ کا وارث اور جانشین قرار دیا ہے۔

جو کوئی حصول علم کی راہ میں نکلتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہ پر چلاتا ہے۔ فرشتے طالب علم کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور یقیناً عالم کے لیے آسمان اور زمین کی تمام چیزیں مغفرت طلب کرتی ہیں، یہاں تک کہ وہ مچھلیاں بھی جو پانی میں ہیں۔ عابد پر عالم کو ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی چاند کو تمام تاروں پر۔ علماء پیغمبروں کے وارث ہیں۔ پیغمبروں نے ترکے میں نہ دینار چھوڑا ہے اور نہ درہم۔ انہوں نے تو صرف علم کو اپنے ترکے میں چھوڑا۔ پس جس کسی نے علم حاصل کیا اس نے بہت بڑی نعمت پالیا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم کی اپنی بارگاہ اقدس میں فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ" (المجادلہ)

"اللہ عزوجل تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا اور اللہ عزوجل کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔"

اللہ نے ترقی کا یہ عالمی اصول مسلمانوں کو دیا تھا اور جب تک مسلمان علم و ایمان کے مشعل بردار بنے رہے دنیا کی امامت کا حقدار رہے اور جب ان کے ہاتھ سے روشنی گئی تو ذلت و خواری سامنے آگئی۔ جبکہ نبیؐ نے علم حاصل کرنے کو فرض قرار دیا تھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"طلب العلم فريضة على كل مسلم"

"حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

علم کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اپنی ذات کی پہچان ہو جائے۔ معاشرے اور کائنات میں اپنے مقام و مرتبہ کی پہچان ہو جائے۔ اپنے پیدا کرنے والے اللہ کی اور اس کے احکام کی پہچان ہو جائے۔ علم کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ علم جو انبیاء علیہ السلام کے ذریعے انسانوں کے پاس آتا ہے اور دوسرا وہ علم جو انسان حواس خمسہ کے ذریعے حاصل کرتا ہے جسے تجرباتی علوم بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں اور دونوں کا مصدر اللہ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علم کو وسیع اور اتھاہ سمندر بنایا ہے۔ جو شخص جتنا بھی علم حاصل کرے وہ کم ہے۔ اسلام نے علم کو دین و دنیا کے دو خانوں میں تقسیم نہیں کیا ہے۔ یہ تقسیم بعد کے زمانہ میں ضرورت کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ ہر وہ علم جو انسان کو اللہ، کائنات، اپنی ذات کی معرفت عطا کردے وہ دین کا علم ہے اور ہر وہ علم جو اسے اس معرفت سے دور کردے وہ لادینی علم ہے۔

دنیا اور آخرت دونوں کی معرفت مومن کے علم کا مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہمیں یہ دعا سکھائی ہے۔

”ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار“

”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں عذاب جہنم سے بچا۔“

یہ دعا بہت جامع ہے۔ان میں دونوں جہاں کی سعادت شامل ہے۔اس دعا کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے۔اس وقت ہمارے ملک میں علم کے دو دھارے ہیں۔ایک دینی علم کا اور دوسرا عصری علم کا۔عموماًعلم دین کے حامل عصری علوم سے واقفیت نہیں رکھتے اور دوسری طرف عصری علوم کے حاملین دینی علم سے واقفیت نہیں رکھتے۔یہ رویہ مسلمانوں کے لئے نامناسب ہے اور یہ اسلام کے مزاج کے خلاف بھی۔اللہ اور اس کے رسول کے عطا کردہ علم کو چھوڑ دینا بڑی بدنصیبی ہے اور ضرورت کو نظر انداز کر دینا پست ذہن کی علامت ہے۔جنگ بدر میں جو کفار مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے ان کے بارے میں صحابہ کرام کے مشورہ سے رسول اللہ ﷺ نے یہ طے فرمایا کہ ان کو تاوان اور فدیہ دے کر چھوڑ دیا جائے۔مگر جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان سے کہا گیا کہ ہر قیدی دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے تو اسے بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا جائے گا۔غور کرنے کی بات یہ ہے کہ رسولؐ نے کافروں کو مسلمان بچوں کا معلم بنایا اور ان سے وہ تعلیم دلوائی جو ان کے پاس نہ تھی۔یہ سنت مسلمانوں کو بتاتی ہے کہ غیر مسلموں کے پاس جو علم ہے اسے بھی حاصل کرنا ہمارے دین کا تقاضا ہے کیونکہ علم مومن کی میراث ہے اور اس کا ہتھیار ہے۔حدیث پاک ہے۔

”الحکمة ضالة المؤمنین فحیث وجدھا فھو احق بھا“

”دانائی کی بات مومن کا گمشدہ سامان ہے۔ وہ جہاں اسے پائے اس کو حاصل کرنے کا وہ زیادہ حقدار ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ہمارے اسلاف نے یونان روم اور ہند کے برہمنوں سے علم حاصل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور ان علوم کو اتنی ترقی دی کہ وہ خود امام بن گئے۔بہت سے علوم خود انھوں نے ایجاد کر ڈالے جو دنیا کی ترقی کا ذریعہ بنے۔

اپنے بچوں اور بچیوں کو اچھی تعلیم دینا ماں باپ کی ذمہ داری ہے اور اسی کے ساتھ بہترین تحفہ بھی۔رسول پاکؐ نے ارشاد فرمایا:

”کوئی والد اولاد کو عمدہ تعلیم سے بہتر تحفہ نہیں دیتا۔“

تعلیم کا اصل مقصد اللہ کی معرفت ہے اور جیسا کہ قرآن مجید میں سب سے پہلی وحی نازل ہوئی جس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے:

”اقرا باسم ربک الذی خلق“

”پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔“

آیت ہی سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا اصل مقصد اپنے پیدا کرنے والے خالق کی معرفت اور اس کی رضا کا حصول ہے لہٰذا تعلیم کا اصل مقصد ہمیں یہی بنانا چاہیے اور اللہ سے دعا کرنا چاہیے کہ ہمیں دنیا و آخرت کے تمام علوم حاصل کرنے کی توفیق دے تاکہ ہمیں دونوں جہاں میں سرخروئی نصیب ہو سکے۔

●●●

(بقیہ صفحہ ۶ کا)

صفات کو اپنے اندر پیدا کیا جائے۔کیونکہ اسی آیت میں آگے اللہ تعالی فرماتا ہے کہ شیطان انھیں لوگوں کو اپنا ہمنوا بناتا ہے یا وہی لوگ شیطانی حرکات و سکنات کے حامل ہوتے ہیں جن کے دل نور ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔

یہ بات ہمیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ شیطان نے اللہ تعالی سے جو وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے بندوں کو بہکانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دے گا، اس وعدہ کی تکمیل میں وہ اپنا ہر لمحہ صرف کرتا ہے اور چاروں طرف سے لوگوں کو بہکانے کی کوشش میں لگا ہوتا ہے۔ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ بحیثیت ایک مسلمان جو ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اور جن چیزوں کے کرنے کے ہم پابند ہیں ان ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیں،ان شاء اللہ ہر قسم کے شیطانی وساوس سے اللہ ہمیں محفوظ رکھے گا۔

●●●

شنگھائی تعاونی تنظیم کا سمرقند چوٹی اجلاس

مسعود ابدالی

روس اور یوکرین جنگ کے خاتمے کے لیے ترک صدر کی سرگرمیاں شنگھائی تعاونی کونسل کے حالیہ سربراہی اجلاس کے دوران بھی جاری رہیں۔

شنگھائی تعاونی کونسل (Shanghai Cooperation Organization) (SCO) ایک یورپی ایشیائی تنظیم ہے، جس کا آغاز سرحدی تنازعات کے پُرامن حل پر غیر رسمی بحث و مباحثے سے ہوا۔ یہ دراصل اعتماد سازی کی ایک کوشش تھی۔ چین کے شہر شنگھائی میں 26 اپریل 1996ء کو روس، تاجکستان، کرغیزستان، قازقستان اور چین کے سربراہ جمع ہوئے اور سرحدی معاملات پر کھل کر گفتگو ہوئی۔ یہاں معاشی مسائل پر بھی تبادلہ خیال ہوا۔ بات چیت کے دوران اس بات پر اصولی اتفاق ہوگیا کہ تصادم و کشیدگی اقتصادی ترقی کے لیے انتہائی مہلک ہے اور بات چیت کے ذریعے متنازع مسائل کے حل میں سب کا فائدہ ہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ قازقستان اور چین دیگر چار ممالک کے پڑوسی ہیں۔ روس کی سرحدیں چین اور قازقستان سے ملتی ہیں۔ کرغیزستان چین، قازقستان اور تاجکستان کے پڑوس میں ہے، جبکہ تاجکستان چین اور کرغیزستان کی سرحدوں پر واقع ہے اور پڑوسیوں کے درمیان کھٹ پٹ چلتی ہی رہتی ہے۔ اس نشست کے دوران گفتگو جاری رکھنے پر اتفاق ہوا اور اس ”کلب“ کا نام شنگھائی 5 طے پایا۔

گویا SCO کا آغاز بھی گروپ 7 کے انداز میں ہوا جب امریکہ، جرمنی (اُس وقت مغربی جرمنی)، فرانس اور برطانیہ کے وزرائے خزانہ تیل کے بحران پر غیر رسمی گفتگو کرنے واشنگٹن میں جمع ہوئے، اور جب یہ لوگ صدر نکسن کے پاس پہنچے تو امریکی صدر نے ان سے قصرِ مرمریں (وہائٹ ہاؤس) کی لائبریری میں ملاقات کی اور اس غیر رسمی و غیر روایتی مجلس کو ”لائبریری گروپ“ کا نام دیا گیا۔ جاپان، اٹلی اور کینیڈا کی شمولیت کے بعد یہ محفل گروپ 7 کے نام سے ایک مضبوط اقتصادی بلاک میں تبدیل ہوگئی۔

دوسرے برس شنگھائی 5 کلب کا اجلاس ماسکو میں ہوا جہاں تمام ارکان نے اپنی سرحدوں پر فوج کی تعداد میں واضح کمی کا اعلان کیا۔ اس کے ایک ماہ بعد روس اور چین کے رہنماؤں نے اعلان کیا کہ دنیا پر ایک طاقت کی بالادستی قابل قبول نہیں۔ یہ دراصل امریکہ کے اس نئے بیانیے کی طرف اشارہ تھا جس کے مطابق سوویت یونین کی تحلیل کے بعد امریکہ دنیا کی واحد ”سپر“ پاور ہے۔ چینی صدر جیانک ژیمین (Jian Zemin) اور ان کے روسی ہم منصب یورس یلسن نے ایک دستاویز پر دستخط کیے جو ”معاہدۂ کثیر قطبی دنیا“ یا Multipolar World کے نام سے مشہور ہوا۔ الماتی (قازقستان) اور بشکیک (کرغیزستان) اجلاس روایتی نوعیت کے رہے، لیکن 2000ء میں جب یہ رہنما دوشنبے (تاجکستان) میں جمع ہوئے تو ”انسانیت اور انسانی حقوق“ کے نام پر دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا عزم کیا گیا۔ ساتھ ہی پانچوں ملکوں نے علاقے میں فوجی، سیاسی اور معاشی استحکام کے لیے مل کر کام کرنے کا وعدہ کیا۔

اس کے اگلے سال شنگھائی سربراہ اجلاس

میں ازبکستان کو اس کلب کا رکن بنالیا گیا، اوراب یہ تنظیم شنگھائی 6 کہلانے لگی۔ اسی سال یعنی 2001ء میں تمام کے تمام 6 اراکین نے شنگھائی 6 کی تنظیمِ نو کے بعد اسے شنگھائی تعاونی تنظیم یا SCO بنادیا۔ ایک سال بعد روسی شہر سینٹ پیٹرز برگ کی سربراہ کانفرنس میں تنظیم کے نئے دستور کی منظوری کے ساتھ اسے ترقی و خوشحالی کے لیے ایک ہمہ جہت ادارے میں تبدیل کردیا گیا، 2015ء میں ہندوستان اور پاکستان کی شمولیت کے بعد اب اس ادارے کے ارکان کی تعداد 8 ہوگئی ہے۔ ایران کی رکنیت بھی منظور کرلی گئی ہے تاہم تہران کی اسنادِ رکنیت کا اجرا اگلے سال اپریل میں ہوگا۔ رکن ممالک کے رقبے کے اعتبار سے SCO یورپ اور ایشیا کے 60 فیصد حصے کی ترجمانی کرتی ہے، دنیا کی 40 فیصد آبادی اور دنیا کی 30 فیصد پیداواروسائل (GDP) کے مالک SCO ممالک ہیں۔ (حوالہ: وکی پیڈیا) افغانستان، بیلارُس اور منگولیا کو SCO میں مبصر کا درجہ حاصل ہے۔ بیلارُس کی رکنیت پر اصولی اتفاق ہوچکا ہے لیکن حتمی فیصلہ غالباً اگلے برس دلی سربراہی اجلاس میں ہوگا۔ افغانستان SCO کا مبصر تو ہے لیکن اگست 2021ء میں کابل پر طالبان کے قبضے کے بعد سے اس کی یہ حیثیت عملاً معطل ہے۔ چونکہ SCO کا آغاز ”گپ شپ کلب“ کے طور پر ہوا تھا اس لیے مکمل رکنیت اور مبصر کے ساتھ شرکائے گفتگو یا Dialogue Partners کے نام سے ایک مستقل شعبہ بھی ہے۔ سری لنکا، ترکی، کمبوڈیا، نیپال، آرمینیا، مصر، قطر اور سعودی عرب گفتگو میں ادارے کے ساجھے دار ہیں۔ بحرین، کویت، مالدیپ، میانمر (برما) اور متحدہ عرب امارات SCO کے شرکائے گفتگو بننے کے خواہش مند ہیں جن کی درخواستوں پر حالیہ اجلاس میں غور کیا گیا۔ شام اور اسرائیل کی جانب سے بھی شریکِ گفتگو ہونے کی درخواست موصول ہوئی ہے لیکن ان پر غور ابھی شروع نہیں ہوا۔ ادارے کا نصابِ رکنیت کچھ اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ پہلے مرحلے میں شریکِ گفتگو، پھر مبصر اور اس کے بعد رکنیت کی منظوری ہوتی ہے۔

شنگھائی تعاونی کونسل بنیادی طور پر باہمی گفتگو کا پلیٹ فارم ہے، چنانچہ سمرقند سربراہ کانفرنس کے دوران کئی اہم ملاقاتیں ہوئیں۔ حالیہ بیٹھک کا سب سے چشم کشا پہلو روسی صدر پیوٹن کا یہ انکشاف ہے کہ یوکرین پر روسی حملے سے چین تشویش میں مبتلا ہے اور صدر ژی جن پنگ نے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے کچھ سوالات اٹھائے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ چین نے یوکرین جنگ کے لیے روس کو اسلحہ فراہم کرنے سے معذرت کرلی ہے۔ پاکستانی وزیراعظم کی روسی صدر سے ملاقات بہت اہم تھی۔ یہاں گفتگو غیر روایتی اور غیر رسمی ہوتی ہے، اس لیے بات چیت کا مشترکہ اعلامیہ جاری نہیں ہوتا۔ شریف پیوٹن ملاقات کی تفصیل بتاتے ہوئے پاکستان کے وزیر دفاع خواجہ محمد آصف نے کہا کہ سمرقند میں روسی صدر سے ملاقات کے دوران جناب شہباز شریف نے روسی تیل اور گندم خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ خواجہ صاحب کے مطابق روسی صدر نے یوکرین جنگ میں پاکستان کی غیر جانب داری کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ ان کا ملک پاکستان سے تجارتی تعلقات کو وسعت دینا چاہتا ہے۔ ملاقات میں صدر پیوٹن نے پیشکش کی کہ اگر پاکستان چاہے تو روس، وسط ایشیا آنے والی گیس پائپ لائن کو افغانستان کے راستے پاکستان تک وسعت دینے کے لیے بھی تیار ہے۔ تاہم یہاں اہم سوال چچا سام کا مزاج نازک ہے۔ پاکستان کی وزارتِ تجارت نے اس حوالے سے امکانی امریکی اعتراض کا جائزہ لینا شروع کردیا ہے۔ ہندوستان چار ملکی بحری اتحاد QUAD کا رکن ہونے کے باوجود روس سے گندم اور خام تیل خرید رہا ہے، لہٰذا واشنگٹن کو روس پاکستان تجارت پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے، لیکن ”عالمی چودھری“ کا کون سا مطالبہ منطقی ہے جو اِس معاملے پر اُس سے معقولیت کی توقع کی جائے! شہباز شریف نے سمرقند میں قیام کے دوران حضرت امام بخاریؒ کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھی۔

ہندوستانی وزیراعظم نریندرا مودی نے بھی صدر پیوٹن سے ملاقات کی۔ گفتگو کے اختتام پر شری مودی نے صحافیوں سے بس اتنا کہا کہ ”جنگ کا دور ختم ہوچکا“۔ تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ ان کا یہ جملہ دراصل پاکستان اور چین کی طرف شاخِ زیتون لہرانے کی ایک کوشش تھی۔ اب ہندوستان SCO کا سربراہ اور 2023ء کے چوٹی اجلاس کا میزبان ہے، چنانچہ مودی جی اپنے دونوں پڑوسیوں سے کشیدگی کم کرنے میں سنجیدہ نظر آرہے ہیں۔ لیکن سمرقند کانفرنس کے دوران ہندوستانی پردھان منتری کی اپنے

پاکستانی ہم منصب اور چینی صدر سے ملاقات نہیں ہوئی۔ پاکستانی وزارتِ خارجہ کے ذرائع نے بتایا کہ جب تک کشمیر ایجنڈے پر نہ ہو، بھارت سے بات چیت نہیں ہوگی۔ پاکستانی حکام کا کہنا ہے کہ ملکہ ایلزبتھ کی آخری رسومات کے دوران بھی سربراہی ملاقات نہیں ہوگی اور اقوام متحدہ کے اجلاس کے موقع پر جب دونوں وزرائے اعظم نیویارک میں موجود ہوں گے، باہمی ملاقات کا کوئی امکان نہیں۔

چینی صدر اور وزیراعظم نریندرا مودی کی سمرقند میں ملاقات نہیں ہوئی لیکن عسکری ماہرین نے مشرقی لداخ سے ہندوستانی اور چینی فوجی دستوں کے پیچھے ہٹنے کا انکشاف کیا ہے، جس کا کسی بھی فریق کی جانب سے سرکاری اعلان نہیں ہوا۔ باخبر ذرائع کے مطابق انسدادِ کشیدگی کی اس پیش رفت کا آغاز بھارت نے کیا ہے جو دِلّی کی جانب سے چین کے لیے خیرسگالی کا اظہار ہے۔

ترکی SCO کا ایک اہم شریکِ گفتگو ہے اور اب انقرہ نے تنظیم کی رکنیت حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ حالیہ اجلاس میں ترک صدر رجب طیب اردوان کو شرکت کی خصوصی دعوت دی گئی تھی۔ ایسی ہی دعوت پر آذربائیجان کے صدر الہام علیوف اور ان کے ترکمن ہم منصب سردار بربان الدینوف بھی شریک ہوئے۔

سمرقند اجلاس کے دوران ترک صدر نے چینی و روسی صدور اور ہندوستانی وزیراعظم سے ملاقاتیں کیں۔ روس اور یوکرین جنگ کے خاتمے کے لیے ترک صدر کی سرگرمیاں شنگھائی تعاونی کونسل کے حالیہ سربراہی اجلاس کے دوران بھی جاری رہیں۔ ترک صدر نے صدر پیوٹن اور ان کے اتحادیوں ازبک، آذری، بیلاروس اور ایرانی صدر سے ناشتے پر ملاقات کی۔ گفتگو کے دوران صدر اردوان نے کہا کہ وہ تنازعے کے پُرامن حل کے لیے پُرامید ہیں اور انھیں اس معاملے میں روس اور یوکرین دونوں کا تعاون حاصل ہے۔ صدر پیوٹن نے امن کے لیے صدر اردوان کی کوششوں کی تعریف کی۔ ان کا کہنا تھا کہ صدرِ ترکیہ کی باوقار سفارت کاری سے یوکرینی غلے کی فراہمی بحال ہوچکی ہے اور جلد ہی روسی گندم کی ترسیل بھی شروع ہوجائے گی۔ روسی صدر نے غریب ملکوں سے خیرسگالی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جیسے ہی روسی غلے کی ترسیل شروع ہوئی روس تین لاکھ ٹن کھاد (fertilizers) مفت تقسیم کرے گا اور امید ہے کہ ہمارے دوست اردوان اس مقصد کے لیے بحراسود اور بحرروم کو پُرامن جہاز رانی کے لیے کھلا رکھیں گے۔ دنیا بھر کے امن پسند ترک صدر کی ان کوششوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کامیابی کے لیے دعاگو ہیں لیکن مغرب کے دلوں میں چھپی آگ اب بھڑکتی نظر آرہی ہے۔ بی بی سی پر صرف ایک دن کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیں:

”ترکیہ دونوں طرف سے کھیل رہا ہے“۔

”اقتدار اور پیسے کی خواہش......صدر اردوان کا نیا چہرہ سامنے آرہا ہے۔“ ”کہنے کو نیٹو کا رکن، عملاً روس کا اتحادی ہے۔“ ”ایک کوسٹ گارڈ کا بیٹا ترکیہ کا جھگڑالو صدر کیسے بنا؟“

کچھ اسی قسم کی بات فرانس کے صدر بھی کہہ رہے ہیں۔ ان کو ڈر ہے کہ بحرروم پر باربروس ”قزاقوں“ کا دور واپس آرہا ہے۔ عثمانی بحریہ کے امیر خیرالدین باربروس اور ان کے بھائی عروج باربروس ”سمندر کے صلاح الدین ایوبی“ کہلاتے تھے جنھوں نے بحرابیض (بحرروم)، بحراسود اور بحیرہ بلقان پر ترکوں کی بالادستی کو ناقابلِ تسخیر بنادیا تھا۔ خوف کا یہ عالم تھا کہ بحر اوقیانوس سے بحرروم میں داخل ہونے کے لیے یورپی جہاز آبنائے جبل الطارق پر کئی کئی دن ترک بحریہ کی اجازت کے انتظار میں کھڑے رہتے تھے۔ اطالوی اور فرانسیسی نصاب میں باربروس کو قزاقوں یا Pirates کے سرغنے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

اس دوران ایک مضحکہ خیز بات بھی ہوئی، اور وہ کچھ اس طرح کہ وقت کی پابندی کے معاملے میں صدر پیوٹن ذرا غیر ذمہ دار مشہور ہیں اور کئی بار ان کے مہمانوں کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی ہے، تاہم سمرقند میں معاملہ الٹ ہوگیا۔ ہندوستان کے وزیراعظم، ترکی، آذربائیجان اور کرغیزستان کے صدور وقتِ مقررہ سے کچھ دیر بعد جلوہ افروز ہوئے۔ روسی خبر رساں ایجنسی تاس کے فوٹوگرافر نے مہمانوں کی خالی کرسیوں کو کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کرلیا اور ان کے ناقدین نے ٹویٹر پر طنز و چٹکلوں کے ہلکے پھلکے تیر برسائے۔ مہمانوں کی تاخیر سے آمد پر صدر پیوٹن نے شگفتہ لہجے میں کہا کہ دوست دیر سے نہیں بلکہ شوقِ ملاقات میں ہم ذرا جلدی آگئے ہیں، یعنی حسابِ دوستاں در دِل۔

●●●

مشرکین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رویہ

پرویز نادر

سیرت رسولؐ کے مختلف ابواب میں مشرکین سے برتاؤ اور رویے کا باب بلاشبہ بہت وسیع اور جامع ہے جس کا ایک ہی عنوان کے تحت احاطہ مشکل ہے۔ کیونکہ مشرکین کے ساتھ نبی برحق کا رویہ مختلف اوقات میں مختلف رہا ہے، لیکن سیرت رسول کی آفاقیت اور جامعیت زمان و مکان کی نہ ہی پابند ہے اور نہ ہی محدود۔ بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ حکمراں طبقہ اور اکثریتی فرقے جو کہ شرک کے پرستار اور کفر کے علمبردار ہیں، ان کی جانب سے جس برتاؤ اور سلوک کا سامنا ہے، اس کے ردعمل میں مسلمانوں کو کتاب وسنت کی روشنی میں یہاں کے کافرین و مشرکین کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے، اس کے بارے میں جاننا اور اس کے مطابق پالیسی بنا کر عمل کرنا ضروری ہے۔ مشرک اقوام کے درمیان رہ کر اپنے عقائد، تہذیبی روایات، شعائر، پہچان اور تشخص کو کس طرح باقی رکھا جاسکتا ہے، اس کا فہم وادراک ہماری بقا کی ضرورت بھی ہے اور ترجیحات میں اولین مقام اسی کو ہونا بھی چاہیے کیوں کہ تاریخ انسانی بتاتی ہیکہ جسمانی غلامی بعد میں آتی ہے پہلے ذہنوں کو غلام بنایا جاتا ہے۔ کسی بھی قوم کی خودی اور اس سے اس کا تشخص چھین لیا جائے تو وہ مجموعی طور پر ہمسایہ اقوام کی شباہت اور روایات کو اختیار کرنا شروع کر دیتی ہے بغیر اس بات کا فرق کیے کہ اس کا اپنا مقام اور درجہ کیا ہوگا۔ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے آزاد کرا کے جب موسیٰؑ صحرائے سینا میں لے آئے اور بنی اسرائیل جب ایک مشرک قوم کے درمیان سے گزرے تو کہا کہ:

وَ جٰوَزنَا بِبَنِی اِسرَآءِیلَ البَحرَ فَاَتَوا عَلٰی قَومٍ یَّعکُفُونَ عَلٰی اَصنَامٍ لَّھُم قَالُوا یٰمُوسَی اجعَل لَّنَا اِلٰـھًا کَمَا لَھُم اٰلِـھَۃٌ قَالَ اِنَّکُم قَومٌ تَجھَلُونَ ﴿الاعراف:۱۳۸﴾

’’بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر سے گزار دیا، پھر وہ چلے اور راستے میں ایک ایسی قوم پر ان کا گزر ہوا جو اپنے چند بتوں کی گرویدہ بنی ہوئی تھی۔ کہنے لگے: اے موسیٰ، ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔ موسیٰ نے کہا: تم لوگ بڑی نادانی کی باتیں کرتے ہو۔‘‘

تو یہ وہ اثرات تھے جو صدیوں سے فراعنہ کی غلامی اور مشرک قوم کے درمیان زندگی بسر کرنے کے سبب بنی اسرائیل کے ذہنوں پر غالب آچکے تھے، جس کی وجہ سے فراعنہ سے آزادی پانے کے بعد سب سے پہلا مطالبہ ہی انہوں نے عبادت کے لیے ایک بت کا کر دیا اور گوسالہ پرستی کی جس بیماری میں بنی اسرائیل مبتلا ہو گئے تھے اس کا بھی سبب اپنے غلامی کے دور میں اپنی ہمسایہ قوم جو گائے کو بطور خدا پوجتی تھی، اس کی عظمت محبت وعقیدت ہی تھی جس سے بنی اسرائیل حد درجہ متاثر تھے۔ اسی لیے سامری نے ان کی عقیدت و محبت کے بت کو گائے کے بچھڑے کے قالب میں ڈھالا تھا۔

دوسری بات یہ کہ امت مسلمہ ایک داعیانہ کردار کی حامل امت ہے جس کا مقصد اقامت دین ہے اور جسے ساری انسانیت تک اللہ کی توحید اور دین کے آفاقی تصور کی دعوت کے فرض منصبی کو پورا کرنا ہے۔

وَ کَذٰلِکَ جَعَلنٰکُم اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُونُوا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُونَ الرَّسُولُ عَلَیکُم شَھِیدًا (البقرۃ:۱۴۳)

’’ہم نے تمھیں ایک اُمت وسط اس لیے بنایا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور یہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہوں۔‘‘

اس فرض کو ادا کرنے کے لیے بھارتی مشرکین کے لیے دعوت کا کیا انداز اختیار کیا جائے اور دعوت کی مخالفت جو کہ لازمی امر ہے کے چلتے مخالفت کی نوعیت اور مرحلے کو دیکھتے ہوئے سیرت طیبہؐ اور قرآن مجید سے ہی رہنمائی حاصل کی

جاسکتی ہے۔ کیونکہ جہاں زندگی سے جڑے ہر شعبہ میں رسول اکرمؐ کی سیرت ہمارے لیے مشعل راہ اور قرآن مجید کسوٹی (فرقان) ہے۔ مزید برآں اندرونی و بیرونی اقوام اور ہم سایوں کے ساتھ معاملات اور رویہ کے معیارات میں بھی یہی دو ماآخذ ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے خود عملی طور پر جاہلی معاشرے میں مشرکین کے درمیان زندگی گزار کر ہمارے لیے اسوہ و نمونہ چھوڑا ہوا ہے۔

تیسری اہم بات یہ کہ صبر و توکل کے کوہ گراں، ہستی صدق و صفا، عفو و درگزر اور صبر کے پیکر، رحمت للعالمین محمد رسول اللہؐ، مشرکین کے ظلم و زیادتی کی جس چکی میں نبوت کے تیرہ (۱۳) سال تک پستے رہے اور مشرکین کی جانب سے آپؐ کے خلاف مخالفانہ پالیسی و ظالمانہ اقدامات کے خلاف اپنے دفاع اور دعوت کی جو حکمت عملی آپؐ نے اپنائی اسے اس مشرکانہ ماحول میں اپنانا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ ہمارے ملی قائدین و سربراہان جماعت آئے دن مسلمانوں کو ظلم و ستم برداشت کرنے اور ہندستانی مشرکین سے خوش گوار تعلقات کے لیے مکی دور ہی کی مثالوں کا راگ الاپنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ ایسے میں رسول اللہؐ کی مکی زندگی کے واقعات کی تصویر کے ہر رخ کو عوام کے سامنے لانا ضروری ہے تاکہ ہمیں یہاں کے مشرکین سے تعلقات کی نوعیت سمجھ میں آجائے۔ اس سے موجودہ حالات کی مماثلت مکی زندگی سے کرنے والوں کو بھی یہ سمجھ میں آجائے گی کہ موجودہ بھارتی مشرکین کی یکسانیت بھی مکی دور کے مشرکین سے کافی پائی جاتی ہے۔ بلکہ قرآن مجید کے مُطابق ثابت شدہ بات یہ کہ ہر دور کے مشرکین کی ایک ہی ذہنیت رہی ہے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ اَشرَكُوا لَو شَآءَ اللّٰهُ مَا اَشرَكنَا وَ لَا اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمنَا مِن شَيءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبلِهِم حَتّٰى ذَاقُوا بَاسَنَا قُل هَل عِندَكُم مِّن عِلمٍ فَتُخرِجُوهُ لَنَا ؕ اِن تَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِن اَنتُم اِلَّا تَخرُصُونَ (الأنعام:۱۴۸)

”یہ مشرکین (یوں) کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کہہ سکتے۔ اس طرح جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں انہوں نے بھی تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ آپ کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو۔ تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور بالکل اٹکل سے باتیں بناتے ہو۔“

اسی بات کو مولانا عامر عثمانی نے ایک شعر میں بڑے ہی حکیمانہ انداز میں پرویا ہے:

ہزار جدت طرازیوں کے لباس بدلا کرے زمانہ
مگر یقیناً رہے گا عامر مزاج باطل وہی پرانہ

بلکہ مکاری و عیاری اور چالبازی میں موجودہ مشرکین عرب کے مشرکین سے کہیں زیادہ آگے ہیں اور شرک کی بدترین قسم میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ عرب کے مشرکین کے پاس تو خدائے واحد کا تصور موجود تھا اللہ کی ذات کے وہ کبھی منکر نہیں رہے۔

قُل مَن يَّرزُقُكُم مِّنَ السَّمَآءِ وَ الأَرضِ اَمَّن يَّملِكُ السَّمعَ وَ الأَبصَارَ وَ مَن يُّخرِجُ الحَيَّ مِنَ المَيِّتِ وَ يُخرِجُ المَيِّتَ مِنَ الحَيِّ وَ مَن يُّدَبِّرُ الأَمرَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ فَقُل اَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿یونس:۳۱﴾

”ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظمِ عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ کہو، پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) پرہیز نہیں کرتے؟

لیکن بھارتی مشرکین تو اللہ کی ذات ہی کے سب سے بڑے منکر ہیں چہ جائیکہ یہ مسلمانوں سے کسی مشترک نکتے اور ذات کی بنا پر کچھ مصالحت کریں۔

دوسری طرف بالعموم رسول اکرم ﷺ کے زندگی کے واقعات کو اور بالخصوص مکی دور کے واقعات کو موجودہ مفکرین و دانشوران ملت صرف ایک ہی رخ سے دیکھتے اور پیش کرتے ہیں اور کہتے نظر آتے ہیں کہ مدنی دور کو اقدامی سے زیادہ مدافعتی اور مجبوری میں جنگ و قتال کا راستہ اختیار کرنے کا رخ غالب ہے جب کہ مکی دور میں صرف ظلم و ستم کو برداشت کرنا، اذیتوں کے نت نئے اور تکلیف دہ مراحل کو بھی انگیز کرنا اور صبر ہی نظر آتا ہے۔ یہ ساری باتیں کتنی حقیقت پر مبنی ہیں یہ دیکھنے کی بات ہے۔ دوران مطالعہ کچھ ایسے واقعات نظر سے گزرے کہ جس کو ہم بارہا سنتے ہیں، لیکن یا تو ان واقعات کو پورا بیان ہی نہیں کیا جاتا یا اپنے مطلب کے لیے سیرت رسولؐ کے واقعات میں خیانت سے کام لیا جاتا ہے۔ دانستہ طور پر جدید افکار و نظریات سے متاثر ہو کر

سیرت النبیؐ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی جا رہی ہے، یا اس کے پس پردہ غالب قوم اور مقتدرہ طبقے کی طرف سے خوف کی نفسیات کار فرما ہے۔ یہ بھی سبب ہوسکتا ہے کہ غیر دانستہ طور پر پسندیدہ موضوع کا انتخاب جس میں ذوق مطالعہ و تحقیق مخصوص (specific) قسم کے حالات کے پیش نظر سیرت سے رہنمائی کی طرف مائل ہی نہ کرتا ہو۔

اب تک تحقیق و تصنیف کی کاوشوں نے سیرت النبی کو کم و بیش ہر پہلو سے پیش تو کر دیا ہے لیکن عوامی حلقے آج بھی سیرت کے وسیع سمندر سے سیراب ہونے سے قاصر ہیں۔ بلا شبہ وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تاقیامت سیرت رسولؐ ہماری ضروریات کو پورا کرتی رہے گی، لیکن اس وقت میری علمی بساط کے مطابق ایک ادنیٰ سی کوشش ہے کہ سیرت رسولؐ کے ذریعے مکہ کے معاشرے کی ایسی منظر کشی قاری اور عام مسلمان کے سامنے پیش کروں کہ موجودہ معاشرے میں ہم مکہ کی اسی زندگی کو اختیار کریں جس سے رسولؐ اللہ اور آپ کے اصحابؓ گزرے تھے۔ دعوت و مخالفت کے مرحلے سے گزرتے ہوئے داعی اعظم نے مشرکین مکہ سے کس طرح کا برتاؤ اور مقابلہ کیا؟ ان سے مفاہمت کی شکل کیا تھی؟ ان سے تعلقات کے حدود کیا تھے؟ دعوت کا انداز تخاطب اور مخاطب کا رد عمل اور پھر اس رد عمل کے جواب میں مسلمانوں کا کردار اور حکمت عملی کیا تھی؟ جب تک ہم مکہ کے اس مشرکانہ معاشرے کے ماحول کو نہیں سمجھتے تب تک بھارتی مسلمان اپنی حیثیت طے نہیں کر پائیں گے اور مایوسی و ناامیدی کے آخری اسٹیج پر پہنچ کر تہذیبی ارتداد اور ذہنی و جسمانی غلامی کی زنجیروں میں گرفتار ہو کر دین و ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

آغاز نبوت ہی دشمنی کی دستک تھی! منصب نبوت پر آپؐ کا سرفراز کیا جانا مشرکین سے نزع کی کوئی خاص بات نا ہوتی اگر آپ رسالت کے اعلان کے ساتھ ہی توحید و آخرت کی دعوت نہ دیتے، آپؐ تو نبوت سے پہلے ہر دل عزیز اور مکرم و محترم تھے، صادق و امین کے القابات سے آپ کو نوازا جا چکا تھا۔ مسند احمد میں حدیث نمبر ۱۰۴۷۷ اور خصائص الکبری کے مصنف امام جلال الدین سیوطی شافعی نے یعقوب بن سفیانؒ اور بیہقیؒ کی ایک روایت لائے ہیں جس کو ابن شہاب زہریؒ نے روایت کیا ہے جو نبوت سے پہلے کے واقعات سے تعلق رکھتی ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت سرداران قریش کے درمیان نزع ہو گیا کہ حجر اسود کو نصب کرنے کا اختیار کس کو ہوگا؟ آخر میں طے پایا کہ کل صبح یہاں سب سے پہلے آنے والے شخص کو حکم بنایا جائے گا اگلی صبح باد نسیم کے جھونکوں نے جو آنے والے کی خوشبو سے خود کو معطر کر رکھا تھا یہ نوید سناتے آئے کہ نگاہ شوق کے محور و مرکز محمدؐ تشریف لا رہے ہیں۔ پھر کیا تھا سبھی مطمئن ہوئے کہ اب ہمارے نزع کا حل نکل چکا ہے۔ چنانچہ رسولؐ اللہ نے حجر اسود کو ایک چادر میں رکھا اور پھر چار قریشی سرداران کو پکڑنے کے لیے کہا اور خود حجر اسود کو لے کر نصب کر دیا۔
(خصائص الکبری؛ صفحہ:۲۳۸)

ابن سعد اور ابن عسا کرنے حضرت داؤد بن حسینؓ سے روایت کیا ہے کہ متفقہ طور پر سبھی کو یہ اعتراف تھا کہ آپ ﷺ اپنی قوم میں اس طرح جوان ہوئے کہ مروت میں ان سے افضل، اخلاق میں ان سے احسن، میل جول میں ان سے اکرم، رفاقت میں ان سے اچھے، حلم میں ان سے اعظم، امانت و دیانت میں ان سے اصدق کوئی نہ تھا اور آپ فحش بات کہنے سے بالکل پاک تھے۔ (خصائص الکبری، صفحہ:۲۳۹)

ان سارے اوصاف حمیدہ کے باوجود رسولؐ اللہ سے عداوت و دشمنی کی بنیاد صرف توحید و رسالت اور آخرت کی دعوت تھی جو اعلان نبوت ہی کے ساتھ شروع ہو گئی تھی۔ جب آپؐ پر وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور حضرت جبرئیلؑ کو آپؐ دیکھ کر گھبرائے تو حضرت خدیجہؓ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ان کے چچا زاد بھائی تھے اور زمانہ جاہلیت میں نصرانی مذہب اختیار کر چکے تھے اور عبرانی زبان کے کاتب بھی تھے۔ وہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے یہاں تک کہ ان کی بینائی بھی رخصت ہو چکی تھی۔ خدیجہؓ نے ان کے سامنے آپؐ کے حالات بیان کیے اور کہا کہ اے چچا زاد بھائی! اپنے بھتیجے (محمدؐ) کی زبانی ذرا ان کی کیفیت سن لیجیے۔ وہ بولے کہ بھتیجے آپ نے جو کچھ دیکھا ہے اس کی تفصیل سناؤ۔ چنانچہ آپؐ نے از اول تا آخر پورا واقعہ سنایا جسے سن کر ورقہ بے اختیار ہو کر بول اٹھے کہ یہ تو وہی ناموس (معزز راز دان فرشتہ) ہے جسے اللہ نے موسیٰؑ پر وحی دے کر بھیجا تھا۔ کاش، میں آپ کے اس عہد نبوت کے شروع ہونے پر جواں عمر ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے نکال دے گی۔ رسولؐ اللہ نے

یہ سن کر تعجب سے پوچھا کہ کیا وہ لوگ مجھ کو نکال دیں گے؟ ورقہ بولے ہاں یہ سب کچھ سچ ہے۔ مگر جو شخص بھی آپ کی طرح امر حق لے کر آیا لوگ اس کے دشمن ہی ہو گئے ہیں۔ اگر مجھے آپ کی نبوت کا وہ زمانہ مل جائے تو میں آپ کی پوری پوری مدد کروں گا۔ مگر ورقہ کچھ دنوں کے بعد انتقال کر گئے۔ (صحیح بخاری: ۳)

مختلف روایت میں ہیکہ اسی طرح ایک اور مرتبہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ ورقہ کے پاس گئیں اور نزول وحی اور آپؐ کی پریشانی و بے چینی کا واقعہ سنایا تو ورقہ بن نوفل نے کچھ اشعار پڑھے، جس میں سے تین شعر کا ترجمہ درج ذیل ہے:

جو حضورؐ کے ساتھ جنگ کرے گا وہ خسارے میں رہے گا اور جو صلح و آشتی سے رہے گا، وہ کامیاب و کامران ہوگا۔ کاش میں اس وقت موجود ہوتا، جب لوگ آپؐ سے برسرِ پیکار ہوں گے اور میں مدد کرنے والوں میں سب سے پہلے ہوتا۔ میں بالیقین ان لوگوں میں شامل ہوتا جسے قریش برا جانتے ہیں اگرچہ وہ کتنا ہی ہنگامہ کرتے اور شور مچاتے۔ (الخصائص الکبریٰ: ۲۵۱)

ورقہ بن نوفل کی یہ پیشن گوئیاں تاریخ کے تجربات کی روشنی میں تھی کہ جب بھی خدا کا کوئی برگزیدہ رسول بت پرستی اور شرک کرنے سے روکنے کے لیے آیا تو اس کے اپنے اقرباء، قبیلہ، معاشرہ اور قوم دشمن بن گئے۔ یہ سارا معاملہ محمد رسولؐ اللہ کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔ یہ سب ہوگا تو نبی کے پیروکاروں کا کیا کام ہوگا؟ اس وقت یہ پیروکار نبی کی نصرت وحمایت کریں گے، چاہے وہ مالی اعانت ہو، زبانی حمایت ہو، یا جسمانی حفاظت جس میں نبی اور دعوت دین کے مخالفین کے ساتھ بات دو بدو تصادم اور مقابلہ تک بھی آ سکتی ہے۔ جس کا عملی مظہر مکہ کی تیرہ سالہ زندگی اور ہجرت کے بعد فتح مکہ تک نظر آتا ہے اور ورقہ بن نوفل کا منشیٰ مذکورہ واقعے اور شعر کی روشنی میں یہی سمجھ میں آتا ہے۔

قرآن کا انداز تخاطب مشرکین کے ساتھ:

رسولؐ اللہ کی بعثت کے بعد شروع کے تین سال آپ نے خاموشی سے اپنے اقرباء اور قابل اعتماد لوگوں کو دعوت دی۔ اس کے بعد جب آپؐ نے علی الاعلان جس معاشرے میں اپنی دعوت کا آغاز کیا اور قرآن خود جن سے مخاطب تھا اس سے پہلے اس کا انداز دیکھتے ہیں اور دعوت دین کے ردعمل میں مشرکین کا رویہ اور پھر قرآن کا جواب کیا ہے اسے دیکھتے ہیں۔ سب سے پہلے تو مشرکین کو جن میں خصوصاً آپؐ کے اقرباء ہیں اور عموماً مشرکین مکہ ہیں، جنہیں توحید اور اسلام کی طرف بلانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ (الشعراء: ۲۱۳)

"پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکارنا کہ تم بھی سزاوار عذاب ٹھہرو۔"

وَ اَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (الشعراء: ۲۱۴)

"اور اپنے قریبی خاندان والوں کو ڈراؤ۔"

وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الشعراء: ۲۱۵)

"اور جن اہل ایمان نے تمہاری پیروی کی ہے، ان کیلئے اپنی شفقت کے بازو جھکائے رکھو۔"

فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّی بَرِیٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ (الشعراء: ۲۱۶)

"اگر یہ لوگ تمہاری نافرمانی کر رہے ہیں تو ان کو سنا دو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو، میں اس سے بَری ہوں۔"

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ (الشعراء ۲۱۷)

"اور خدائے عزیز ورحیم پر بھروسہ رکھو۔"

آیت مذکورہ میں ایک طرف دعوت دین کا حکم دیا جا رہا ہے تو وہیں دوسری طرف مشرکین کے مشرکانہ عمل سے بیزاری اور ان کے خود تراشیدہ بتان آذری سے عداوت کی ابتدا ہوتی ہے جنہیں چھوڑ کر معبود یکتا کی عبادت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور اس عداوت و کشمکش کا عملی اظہار کوہ صفا کی وادی سے ہوا۔ (جاری)

●●●

(بقیہ صفحہ ۲۷ کا)

اس کے تحفظ کی ضمانتیں ہیں، اس کی تعلیم اور اس کے لیے مناسب ماحول مہیا کرنا دانشگاہوں کا اولین فرض، اور اس کا حصول تعلیم یافتہ نسل اور ملک کے دانشوروں کی پہلی ذمہ داری ہے اور ہم کو اس جیسے تمام مواقع پر دیکھنا چاہیے کہ اس کام کی تکمیل میں ہماری دانش گاہیں کتنی کامیاب اور ان کے سند یافتہ افراد وفضلاء کتنے قابل مبارک باد ہیں، اور آئندہ ان مقاصد کے حصول اور تکمیل کے لیے ہم کیا عزائم رکھتے ہیں اور ہم نے کیا انتظامات سوچے ہیں۔

●●●

رسالت محمدیؐ کی امتیازی حیثیت اور اس کا تقاضا

حافظ بلال غوری (ایوت محل)

اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر انسان کو ایک امتحان کی غرض سے بھیجا اور اسے حکم دیا کہ جو ہدایت میری طرف سے بھیجی جائے اسکی پیروی کرنا، چنانچہ اپنی ہدایت و احکام لوگوں تک پہچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء ورُسل کا سلسلہ جاری کیا۔اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورُسل کو مبعوث کیا جو لوگوں کو اپنے رب کے احکامات بتاتے اور صرف اسی کے احکامات کے مطابق عمل کرنے والا بنانے کی کوشش کرتے اور اگر لوگ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تو انھیں آخرت میں ملنے والی سزا سے ڈراتے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعدَ الرُّسُلِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (النساء:۱۶۵)

”یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تا کہ ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجّت نہ رہے اور اللہ بہر حال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔“

جتنے بھی انبیاء ورسول آئے سب الگ الگ قوموں میں آئے لیکن سب نے ایک اللہ کا تقویٰ اور اپنی اطاعت کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور اسی غرض سے سب سے آخر میں جناب محمدؐ تشریف لائے۔

”فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيعُونِ (الشعراء:۱۴۴)

”لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔“

جس طرح ایک مسلمان کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح تمام انبیاء و رسول پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کیوں کہ تمام انبیا و رسول اللہ ہی کے بھیجے ہوئے تھے اور تمام نے لوگوں کو اسلام ہی کی دعوت دی۔ البتہ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقی تمام رسالت و نبوت سے کچھ امتیازی پہلوؤں کی حامل ہے۔رسالت محمدیؐ کو دوسری تمام رسالتوں کے مقابلے میں جو خصوصی امتیازات حاصل ہیں اس میں سے چند درج ذیل ہیں۔

عالم گیر نبوت:

سب سے بڑا اور سب سے پہلا امتیاز تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ایک عالم گیر نبوت ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین کے کسی مخصوص خطے یا کسی مخصوص قوم کے لوگوں کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے بلکہ آپ ساری دنیا کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے اور اس کی وضاحت خود آپ کو جس نے بھیجا ہے اسی نے کر دی، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا:

وَمَا اَرسَلنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا وَّلٰكِنَّ اَكثَرَ النَّاسِ لَا يَعلَمُونَ

(سباء:۲۸)

ترجمہ: اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ کو تمام ہی انسانوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

قُل يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّی رَسُولُ اللّٰهِ اِلَيكُم جَمِيعًا الَّذِی لَهٗ مُلكُ السَّمٰوٰتِ وَالأَرضِ

(اعراف:۱۵۸)

”اے محمدؐ، کہو کہ اے انسانو، میں تم سب کی طرف اُس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے۔“

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور پوری دنیا کے لئے مبعوث کیا ہے۔ اس سے پہلے یہ حیثیت کسی بھی نبی کو حاصل نہیں تھی۔ باقی تمام انبیاء کرام کسی مخصوص قوم اور مخصوص خطے کے لئے بھیجے جاتے تھے جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے :

”مجھ سے پہلے کا ہر نبی مخصوص طور پر اپنی ہی قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام لوگوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“(مسلم)

خاتم النبین:

جس طرح آپ ﷺ کی نبوت عالم گیر نبوت ہے اسی طرح ہمیشہ رہنے والی بھی ہے۔ آپؐ پر نبوت ختم کر دی گئی ہے اور اس طرح آپؐ سے نبوت کی عمارت کو بھی مکمّل کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُم وَلٰكِن رَّسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ

(احزاب:۴۰)

”(لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النّبین ہیں۔“

اسی طرح اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا:

”مجھ سے نبوت کی عمارت مکمّل ہوگئی اور میرے ذریعے رسولوں کا سلسلہ اختتام کو پہنچ گیا۔ (بخاری ومسلم)

”میرے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔“ (ترمذی)

آپ ﷺ کے علاوہ کسی بھی نبی کو یہ مقام حاصل نہیں ہے بلکہ ہر کسی کے بعد کوئی نہ کوئی نبی ضرور تشریف لاتے رہے۔ جس طرح آپ ﷺ کی نبوت تمام انسانوں کے لیے ہے اسی طرح تمام زمانے کے لیے بھی ہیں۔

کامل دین:

رسالت محمدی ﷺ کا تیسرا امتیاز یہ ہے کہ آپ جو دین وشریعت لے کر آئے ہیں وہ ہر پہلو سے کامل اور مکمّل ہے۔

اَليَومَ اَكمَلتُ لَكُم دِينَكُم وَاَتمَمتُ عَلَيكُم نِعمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسلَامَ دِينًا (المائدہ:۳)

”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمّل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔“

نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دین کے کامل ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باقی انبیاءؑ نے اپنی قوموں کے سامنے جو دین پیش کیا وہ ناقص تھا بلکہ وہ بھی اپنے اعتبار سے کامل ہی تھا۔ باقی انبیاء محدود علاقے، محدود زمانے اور محدود لوگوں کے لیے بھیجے گئے تھے اس لیے انھیں احکام وقوانین بھی اسی مناسبت سے دے گئے تھے لیکن چونکہ رسول ﷺ تمام لوگوں کے لیے، قیامت تک کے لیے اور پوری دنیا کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تو اس کا تقاضا یہی تھا کہ آپ کو دین وشریعت بھی ایسی کامل دی جائے جس میں رہتی دنیا تک کے مسائل کا حل موجود ہو، جس سے انسان ہر دور میں رہنمائی حاصل کر سکے۔

کتاب محفوظ:

چوتھا امتیاز جو رسالت محمدیؐ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ آپ پر نازل کی گئی کتاب قرآن مجید جوں کی توں آج بھی محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی۔ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے:

اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّكرَ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ (الحجر:۹)

”رہا یہ ذکر، تو اِس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اِس کے نگہبان ہیں۔“

اس سے پہلے کی نازل کی گئی ان میں سے کوئی بھی کتاب اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہے بلکہ اس کے ماننے والوں نے ہی اس میں رد وبدل کر دیا اور اس کے ایک حصّے کو بھلا دیا۔

فَبِمَا نَقضِهِم مِّيثَاقَهُم لَعَنّٰهُم وَ جَعَلنَا قُلُوبَهُم قٰسِيَةً يُحَرِّفُونَ الكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهٖ (المائدہ:۱۳)

”پھر یہ ان کی عہد شکنی ہی تو تھی جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کیا اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا۔ وہ باتوں کو اپنے موقع و محل سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور جس بات کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ بھلا چکے ہیں۔“

جس زبان میں وہ کتابیں نازل کی گئی تھیں ان زبانوں کا بھی کوئی پتا نہیں جس کے مقابلے میں عربی زبان دنیا بھر میں بولی جانے والی مشہور زبانوں میں سے ایک ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک انتظام ہی ہے کہ جس کتاب کو محفوظ رکھنے کا اس نے اعلان کیا ہے اس کی زبان کو بھی محفوظ کر دیا بلکہ دنیا کی ایک بہترین اور مشہور زبان بنا دیا۔

امتیازی حیثیت کالازمی تقاضا:

رسالت محمدیؐ کو جو امتیازات حاصل ہیں وہ اپنے اندر کچھ تقاضے بھی لیے ہوئے ہیں اوران تقاضوں کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ان میں دو تقاضے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

مکمل اطاعت و پیروی:

اللہ کے رسول پر ایمان لانے کے بعد لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپؐ کے لائے ہوئے دین (اسلام) ہی کی پیروی کی جائے کیوں کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی و رسول ہیں۔ آپ کا لایا ہوا دین آخری دین ہے اور آپ تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ ایک عام انسان بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اب نہ تو کوئی نبی آنے والا ہے نہ کوئی نیا دین آنے والا ہے اور نہ کوئی کتاب تو ضروری ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر عمل کیا جائے۔ قرآن نے واضح اعلان کر دیا ہے۔

اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلَامُ

(آل عمران:۱۹)

’’اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔‘‘

وَمَن یَّبتَغِ غَیرَ الاِسلَامِ دِینًا فَلَن یُّقبَلَ مِنہُ وَھُوَ فِی الاٰخِرَۃِ مِنَ الخٰسِرِینَ (آل عمران:۸۵)

’’اس اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے گا اس کا وہ طریقہ ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔‘‘

پہلی آیت سے جہاں یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ رب العزت کے نزدیک صرف اسلام ہی دین ہے تو دوسری آیات سے اور واضح انداز میں پتا چل رہا ہے کہ کوئی دوسرا دین اللہ رب العزت کو قبول نہیں اور اسی آیت کا اگلا حصہ یہ واضح کر رہا ہے کہ ایسے لوگ ناکام و نامراد ہونے والے ہیں جو آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین اسلام کے بعد بھی کسی اور دین کی پیروی کر رہے ہوں۔ اگر کوئی شخص آخرت میں اپنی نجات چاہتا ہے تو اسے اسلام ہی پر عمل کرنا ہوگا، گویا اسلام ہی پر آخرت کی نجات موقوف ہے۔ نبیؐ کا یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے:

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، اس امّت میں سے جس شخص تک مثلاً کسی یہودی یا نصرانی تک میری نبوت کا پیغام پہنچا اور اس کے باوجود وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو وہ دوزخی ہوگا (مسلم)

اگرچہ یہاں پر مثال یہود و نصاریٰ کی دی گئی ہو مگر مخاطب تمام ہی انسان ہیں۔ آپ ﷺ تمام انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں اس لیے قیامت تک آنے والا ہر انسان کی کامیابی کا دارومدار رسالت محمدی ﷺ کے اقرار اور اسلام کو تسلیم کرنے میں ہے۔ رسالت محمدی کی یہ ایک اہم امتیازی خصوصیت ہے۔

شہادت حق:

جب اسلام کی حیثیت یہ ہے کہ انسان کی اخروی نجات اسی پر ایمان لانے پر موقوف ہے تو اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اسے دنیا کے ہر حصّے میں ہر انسان تک جوں کا توں پہنچا دیا جائے تاکہ ہر شخص اس کو قبول کر کے آخرت میں نجات پاسکے، چنانچہ اس کام کی انجام دہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جس امّت کو وجود میں لایا اس کا نام امت مسلمہ ہے، اسے تمام بندگانِ خدا تک دین حق کی شہادت دینی ہے۔

وَکَذٰلِکَ جَعَلنٰکُم اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُونُوا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ وَیَکُونَ الرَّسُولُ عَلَیکُم شَھِیدًا (البقرۃ:۱۴۳)

’’اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک ’’اُمّتِ وَسط‘‘ بنایا ہے تاکہ تم دُنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔‘‘

اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے جو دین حق ہم تک پہنچا ہے اس کی شہادت لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ ہمیں اپنے قول و عمل دونوں سے اسلام کے حق ہونے کی شہادت دینا ہے جس کے لیے ہمیں انفرادی و اجتماعی زندگی میں اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بننا ہوگا۔ جس مقصد کیلئے اس امّت کو وجود میں لایا گیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ:

کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنھَونَ عَنِ المُنکَرِ وَتُؤمِنُونَ بِاللّٰہِ (آل عمران:۱۱۰)

’’اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔‘‘

ہمیں چاہیے کہ جس مقصد کیلئے ہمیں وجود میں لایا گیا ہے اسے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ دنیا کو مختلف قسم کے جاہلی اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لانا ہماری ذمہ داری ہے۔ نیکی کا حکم دیتے رہنا ہے اور برائی سے لوگوں کو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے شہادت حق کا فریضہ انجام دینا ہے۔

●●●

تعلیم کے اسلامی اصول

پروفیسر خورشید احمد

(الف) تصورِ علم:

اسلام نے جو تصورِ علم دیا ہے اس میں سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ علم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ علم اشیاء اسی کا دیا ہوا ہے اور انسان کی ہدایت کا علم بھی اسی کی طرف سے ہے۔ حواس اور عقل و تجربہ بڑے اہم ذرائع علم ہیں لیکن وحی سب سے اعلیٰ ذریعۂ علم ہے۔ نیز یہ کہ علم کا تعلق محض لوازمات حیات ہی سے نہیں، مقاصدِ حیات سے بھی ہے اور اوّل الذکر کو ثانی الذکر کے تابع ہونا چاہیے۔ یہی وہ تصور ہے، جس سے ہمارے نظام تعلیم کا پورا مزاج بنتا ہے۔

اسلام نے علم کا جو تصور دیا ہے اس میں علم اور تربیت دونوں کو یکساں اہمیت دی گئی ہے اور ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیۂ نفس دونوں کو ساتھ ساتھ انجام دینا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مخصوص نظامِ تعلیم میں تعلیم اور سیرت سازی ایک ہی حقیقت کے دو پہلو رہے ہیں اور اس کا اظہار علم و فضل کی اصطلاح سے بھی ہوتا ہے، جو علم اور نیکی اور اخلاق حسنہ میں بڑے ہوئے ہونے کے مفہوم کو ادا کرتی ہے۔

(ب) مقصد تعلیم:

تعلیم بجائے خود منزل نہیں، منزل کے حصول کے لیے ایک ذریعہ ہے۔ حقیقی منزل ان لوگوں کا نظریۂ حیات اور تمدن و ثقافت ہے جن کی خدمت اسے کرنی ہے۔ اے این وایٹ ہیڈ نے یہ کہہ کر زور دیا ہے کہ:

''تعلیم کی روح یہ ہے کہ وہ مذہبی ہو۔''

علامہ اقبالؒ کا خیال بھی یہی تھا کہ اسلام ہماری زندگی اور تعلیم کا مقصد ہونا چاہیے۔ انھوں نے خواجہ غلام السیدین کو ایک خط میں لکھا تھا:

''علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہو۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انھی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے وہ طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔ اگر یہ دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطانیت ہے۔ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ علم کو مسلمان کرے۔

بولہب را حیدر کرار کن

اگر یہ بولہب حیدر کرار بن جائے یا یوں کہیے کہ اس کی قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوع انسان کے لیے سراپا رحمت ہے۔''

پس تعلیم کا اوّلین مقصد یہ ہونا چاہیے کہ طلبہ میں ان کے مذہب اور نظریۂ حیات کی تفہیم و آگہی پیدا کرے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ زندگانی کا مفہوم اور مقصد، دنیا میں انسان کی حیثیت توحید، رسالت، آخرت اور انفرادی اور اجتماعی زندگی پر ان کے اثرات، اخلاقیات کے اسلامی ثقافت کی نوعیت اور ایک مسلمان کے فرائض اور اس کا مشن انھیں سمجھایا جائے۔ انھیں بتایا جانا چاہیے کہ وہ کس طرح اعلیٰ مقاصد کے لیے دنیا کی تمام قوتوں کو استعمال کریں۔ تعلیم کو ایسے افراد پیدا کرنے چاہئیں جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بارے میں اسلامی نظریات پر بھرپور یقین کے حامل ہوں اور اسے ان کے اندر ایک ایسا اسلامی نقطۂ نظر پیدا کرنا چاہیے کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنا

راستہ خود بنا سکیں۔

قرآن حکیم کا فرمان ہے کہ اہل علم حق اور سچائی کے گواہ ہیں۔ وہ تعلیم جس کا مقصد اہل علم پیدا کرنا ہو اسے اولین طور پر اسلام کا علم پیش نظر رکھنا چاہیے۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے:

"شَھِدَ اللہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ" (آل عمران:۱۸)

"خدا شاہد ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور صاحبانِ علم بھی (اس حقیقت کے) شاہد ہیں۔"

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"لوگوں میں سے درجۂ نبوت کے قریب تر اہل علم اور اہل جہاد ہیں۔ اہل علم اس وجہ سے کہ انھوں نے لوگوں کو وہ باتیں بتائیں جو رسولؐ لائے تھے اور اہل جہاد اس وجہ سے کہ انھوں نے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت پر اپنی تلوار سے جہاد کیا۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا مشن ہے جس کے لیے انبیاء مبعوث کیے گئے ہیں۔ ایک ایسا مشن جو صاحبانِ علم کو مقام نبوت سے قریب کرتا ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق اسلام کے پیغام کی اشاعت و تبلیغ اور ایک عادلانہ اور صحت منداجتماعی نظام کا قیام ہے۔ قرآن کہتا ہے:

"ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ" (الجمعۃ:۲)

"وہ (خدا) وہی تو ہے جس نے امیوں میں انھی میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور (خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔ اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔"

"لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" (الحدید:۲۵)

"ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) نازل کی تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔"

پس اسلامی تہذیب و ثقافت کے پس منظر میں تعلیم کا بنیادی مقصد ان پیغمبرانہ فرائض کی بجا آوری اور انسان کو اس مشن اور مقصد کی تعلیم دینا، ان میں اس مذہب کی سچی روح پیدا کرنا اور انھیں ایک مکمل اور صحت مند زندگی کے لیے تیار کرنا ہے۔

یہ مقصد تعلیم کے ہر گوشے میں اسلامی نظریۂ حیات کی روح جاری و ساری کرنے سے حاصل ہوگا۔ نئی کتابوں کی ترتیب و تدوین بھی اسی نقطۂ نظر سے کی جانی ہوگی۔ اس کے لیے تمام تعلیمی سرگرمیوں کی تشکیل نو اور ایک ایسے ماحول کی تخلیق بھی کرنا ہوگی جو ان مقاصد کے حصول میں ممد و معاون ثابت ہو۔

(ج) انفرادیت اور اجتماعیت میں توازن:

تعلیم کا ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ طالب علم کی انفرادیت کے ارتقاء کو کیا اہمیت دی جائے اس پر ہمارے سامنے متضاد نظریات ہیں۔ بعض کے نزدیک فرد کا ارتقاء بنیادی قدر ہے۔ وہ اجتماعی یا مشترک ذمے داری کے تصور کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اس کے برعکس ایسے نظریات بھی ہیں جن میں معاشرے کے معیارات سے مطابقت کی بنیادی اہمیت دی گئی ہے اور فرد کی اپنی شخصیت کے نشوونما پر کوئی زور نہیں دیا گیا۔ یہ دونوں حدیں غلط اور غیر حقیقت پسندانہ ہیں۔ اسلام کی ایک منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ انفرادیت اور اجتماعیت میں ایک توازن پیدا کرتا ہے۔ اسلام فرد کی اپنی ذاتی شخصیت میں یقین رکھتا ہے اور ذاتی طور پر ہی ہر ایک کو خدا کے سامنے ذمے دار اور جواب دہ ٹھہراتا ہے۔ اسلام فرد کے بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے اور کسی کو ان میں مداخلت کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کی تعلیمی پالیسی میں فرد کی شخصیت کا مناسب ارتقا اہم ترین مقاصد میں سے ایک ہے۔ یہ اس خیال کا حامی نہیں کہ فرد کو اجتماعی یا ریاست میں اپنی انفرادیت کھو دینی چاہیے۔ قرآن کریم کے مطابق:

"وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" (النجم:۳۹)

"اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔"

"اِنَّ اللہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ" (الرعد:۱۱)

"بے شک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت بدل نہیں دیتا جب تک وہ لوگ خود اپنے میں تبدیلی نہیں کر لیتے۔"

"لَا یُکَلِّفُ اللہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا لَھَا مَا

كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ''

(البقرۃ:۲۸۶)

''اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمے داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا پھل اس کے لیے اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال اسی پر ہے۔''

'' وَ لَنَا اَعمَالُنَا وَ لَکُم اَعمَالُکُم''

(البقر:۱۳۹)

''اور ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمہارے اعمال (کا)۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ایک طالب علم کی انفرادی شخصیت کو نشو ونما دینا چاہتا ہے اور اس کی تمام خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنا چاہتا ہے اور دوسری طرف اسے معاشرے کا ایک ذمے دار فرد بنانا چاہتا ہے تا کہ وہ اجتماعی زندگی کے وظائف کو بحسن وخوبی انجام دے سکے۔

(د) علم کی وحدت اور ہم آہنگی:

تعلیم کا ایک اور اصول یہ ہے کہ طالب علم کو متوازن اور ہم آہنگ تعلیم حاصل ہو۔ اس میں اتنی قابلیت پیدا ہونی چاہیے کہ وہ دنیا کی رنگارنگ بوقلمونیوں کے درمیان زندگی اور کائنات کی وحدت کو دیکھ سکے۔ اسلام راہِ وسط کا داعی ہے اور اس کا نصب العین متوازن شخصیت کی تعمیر و ارتقا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق فکر اور عمل کا توازن نبوت کی خصوصیت میں سے ایک ہے۔ اس لیے تعلیم میں یہ بات لازماً پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ اختصاص کے مرحلے میں داخل ہونے سے پہلے طالب علم کو علم کے وسیع پس منظر سے واقفیت حاصل ہو جائے اور زندگی اور اس کے مسائل کے بارے میں وہ ایک متوازن رویہ متعین کر لے۔

اِسلام کی نظر میں علم ایک ہم آہنگ اور باہم مربوط تسلسل ہے۔ یہ اس حقیقت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو علم کے ہر متلاشی کا ذہن تشکیل کرے گی اور اس کے سوچنے کا انداز متعین کرے گی خواہ ان کے حصولِ علم کا میدان کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ یہ چیز قدرتاً ہم آہنگ علم کے تصور کی طرف لے جاتی ہے۔ اس بنیادی نقطے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان نفسِ علم کو چھوٹے چھوٹے غیر مربوط جزئیات میں تقسیم نہیں کریں گے، بلکہ کثرت میں وحدت کا رنگ رونما ہو جائے گا۔ اس سے جزو پرستی اور حد سے بڑھی ہوئی شعبہ جاتیت کی خامیاں بھی دور ہو جائیں گی۔ اغلباً یہ تصور تعلیم کے اعلیٰ مرحلے پر ہی اختصاصی تعلیم شروع کرنے کے نقطۂ نظر سے زیادہ قریب ہے۔ ابتدائی مرحلوں میں تعلیم کو غیر اختصاصی رہنا چاہیے۔ یہ طریقہ نوجوانوں میں وسعتِ نظر اور دیانت و رواداری کی خوبیاں پیدا کرنے میں بہت اہم حصہ ادا کرے گا۔

(ہ) تعمیر کردار:

تعلیم میں سب سے زیادہ اہمیت طالب علم کے کردار کی تشکیل کو حاصل ہونا چاہیے۔ تعلیم جب تک اچھے کردار تعمیر نہ کرے گی، اپنا حقیقی مقصد کبھی حاصل نہ کر پائے گا۔ اسلام میں نیک اعمال اولین اہمیت کے حامل ہیں۔ قرآن پاک میں ایمان اور عمل صالح کی بیک وقت تلقین کی گئی ہے اور نبی کریم ﷺ کے بنیادی مشن میں تزکیہ، یعنی انسانی زندگی اور روح کی تطہیر شامل ہے اور اسے اوّلیت حاصل ہے۔

یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ کردار کے بنیادی رجحانات کے اساس زندگی کے ابتدائی دور ہی میں پڑ جاتی ہے اور اسکول اور کالج ایک انسان کے کردار کی تعمیر میں اہم حصہ ادا کر سکتے ہیں۔ یہ کام تعلیم کا ہے کہ وہ انسانی کردار کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دے۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

''تعلیم کا مقصد یہی نہیں ہونا چاہیے کہ نوجوان ذہن کے علم کی پیاس بجھا دے بلکہ اس کے ساتھ ہی اسے اخلاق و کردار اور اجتماعی زندگی کے اوصاف نکھارنے کا احساس بھی پیدا کرنا چاہیے۔''

ہمارے سامنے انسانی زندگی کا مثالی نمونہ رسول اکرمؐ کی ذات مبارک ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ہے۔

''لَقَد کَانَ لَکُم فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسوَۃٌ حَسَنَۃٌ'' (الاحزاب:۲۱)

''رسول اللہ ﷺ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لیے۔''

تعلیم کے تمام مراحل پر طلبہ کو رسول اکرمؐ اور ان کے صحابہ کی مثالی زندگیاں پڑھائی جانی چاہئیں۔ استاد کو خود اپنی زندگی اور اپنے کردار اور عمل سے طالب علم میں ایک نیک زندگی اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کرنا چاہیے اور درس گاہوں کا ماحول بھی ایسا ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں ممد و معاون ہو سکے۔

(و) تکمیل حیات:

اسلام زندگی اور اس کی مسرتوں کو ترک کرنے کا نام نہیں بلکہ وہ ان کی تکمیل کا داعی

ہے۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہماری تعلیم کو ہمارے نوجوانوں کو زندگی گزارنے کے طریقوں کی تربیت دینی چاہیے اور معاشرے کو گوناگوں ضروریات کو پورا کرنے کے لائق بنانا چاہیے۔

اسلام رہبانیت کا مخالف ہے اور چاہتا ہے کہ انسان زندگی کی کشاکش کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ اپنی زندگی گزار دے۔قرآن ہمیں دنیا اور آخرت دونوں کے بہترین حصول کی تعلیم دیتا ہے۔قرآن کریم میں ان لوگوں کو سختی سے خبردار کیا گیا ہے جو اس کی عنایات سے لطف اندوز ہونے سے انکار کرتے ہیں:

"قُل مَن حَرَّمَ زِینَۃَ اللہِ الَّتِی اَخرَجَ لِعِبَادِہٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزقِ قُل ھِیَ لِلَّذِینَ اٰمَنُوا فِی الحَیٰوۃِ الدُّنیا" (الاعراف:۳۲)

"ان لوگوں سے کہو کہ کس کے حکم سے تم نے ان نعمتوں سے منہ پھیرا ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے تخلیق کی ہیں۔کھانے پینے کی اور استعمال کی ان چیزوں سے جو اس نے ان کے لیے بنائیں۔"

اسلام کا رویہ اس قرآنی آیت سے بالکل ظاہر ہے:

"کُلُوا وَ اشرَبُوا وَ لَا تُسرِفُوا"

(الاعراف:۳۱)

"کھاؤ پیو مگر حد سے زیادہ اسراف نہ کرو۔"

اسلام کی نظر میں انسانی محنت اور مشقت نہایت ہی قابل قدر ہے۔اسلام ہر فرد کو اپنی روزی خود کمانے کے قابل بناتا ہے۔پس تعلیم کو دیانتدارانہ، منصفانہ اور معقول معاش کے حصول میں ممد و معاون ہونا چاہیے۔علاوہ ازیں تعلیم کو معاشرے کی اقتصادی، سماجی، سائنسی اور فنی ضروریات پوری کرنی چاہئیں۔ان ضروریات کو نہ صرف یہ کہ نظرانداز نہیں کرنا چاہیے بلکہ تعلیم کو ان کی تکمیل کے لیے مثبت طور پر کام کرنا چاہیے۔ پھر تعلیم میں اتنا عملی عنصر ضرور رہنا چاہیے کہ ہر فرد معاشی استحکام حاصل کر سکے۔

ان مقاصد سے ہم آہنگ نظامِ تعلیم اسلامی آدرشوں کا ترجمان ہوگا اور بنی آدم کے لیے رحمت ثابت ہوگا۔

●●●

(بقیہ صفحہ ۴۲ کا)

فیضِ فطرت نے تجھے دیدۂ شاہیں بخشا
جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہِ خفّاش

معنی: خفّاش: چمگادڑ۔

تشریح: اے نوجوان مسلم! اللہ نے تمہارے اندر شاہین کی وہ نگاہ رکھی تھی جو ہمیشہ بلندی کی طرف اٹھتی ہے جو زمین کی پستی میں پڑی ہوئی چیزوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔لیکن اس غلامانہ طرزِ تعلیم تجھ سے نگاہِ بلند چھین لی ہے اور اس آنکھ میں چمگادڑ کی نگاہ رکھ دی ہے جو نہ تو بلندی کی طرف اٹھ سکتی ہے اور نہ ہی (حق کی) روشنی میں کھل سکتی ہے بلکہ ظلمت اور گمراہی سے اس کا مقدر ہو جاتا ہے،جس کی وجہ سے وہ راہِ حق کو پہچان ہی سکتی ہے۔

مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

معنی: خلوت: تنہائی، گوشہ نشینی۔اسرار: سر کی جمع، راز۔

تشریح: اس شعر میں علامہ نے دورِ حاضر کے نظامِ تعلیم سے ہونے والے اثرات بد سے بچنے کا طریقہ بتایا ہے۔کہتے ہیں کہ کالج نے جن حقائق اور بلندیوں کو تیری نگاہوں سے اوجھل کر دیا ہے، وہ حقائق تمہیں کالجوں کے پراگندہ ماحول سے دور پہاڑوں اور جنگلوں کے فطری ماحول میں خدا سے لو لگانے اور صالحین کی صحبتوں سے حاصل ہو مل سکتے ہیں۔یعنی فطرت کے وہ مناظر جو انسان کو اپنے وجود میں غور و فکر کرنے دعوت دیتے ہیں اور خالق کائنات کے قریب کرتے ہیں۔

●●●

علم کا مقام اور اہل علم کی ذمہ داریاں

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

جناب چانسلر صاحب (بی، کے، نہرو۔ گورنر کشمیر)
پرو چانسلر صاحب (شیخ محمد عبداللہ چیف منسٹر کشمیر)
وائس چانسلر صاحب (ڈاکٹر وحید الدین ملک)
اساتذۂ جامعہ فضلائے کرام اور معزز حاضرین!

میرا عقیدہ ہے کہ علم ایک اکائی ہے جو بٹ نہیں سکتی، اس کو قدیم و جدید، مشرقی و مغربی، نظری و عملی میں تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے:

دلیل کم نظری قصۂ جدید و قدیم

میں علم کو ایک صداقت مانتا ہوں جو خدا کی وہ دین ہے جو کسی ملک و قوم کی ملک نہیں اور نہ ہونی چاہیے۔ مجھے علم کی کثرت میں بھی وحدت نظر آتی ہے، وہ "وحدت" سچائی ہے، سچ کی تلاش ہے، علمی ذوق ہے، اور اس کو پانے کی خوشی ہے اس کے باوجود میں جناب چانسلر صاحب، وائس چانسلر صاحب اور اس جامعہ کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنے ایک علمی اعزاز کے لیے ایک شخص کا انتخاب کیا جس کا انتساب اور تعلق قدیم طرز تعلیم سے ہے۔

میں علم، ادب، شاعری، فلسفہ و حکمت، کسی میں اس اصول کا قائل نہیں ہوں کہ جو اس کی "وردی" پہن کر آئے وہی 'عالم' اور 'دانشور' ہے اور یہ مان لیا گیا ہے کہ جس کے جسم پر وردی نہ ہو وہ نہ مستحق خطاب ہے نہ لائق سماعت، بد قسمتی سے ادب و شاعری میں بھی یہی حال ہے۔ جو ادب کی دکان نہ لگائے اور اس پر ادب کا سائن بورڈ آویزاں نہ کرے اور ادب کی وردی پہن کر ادبی محفل میں نہ آئے وہ "بے ادب" ہے۔ لوگوں نے ان پیدائشی ادیبوں اور شاعروں کا قصور کبھی معاف نہیں کیا جن کے جسم پر وہ وردی دکھائی نہ دیتی ہو یا جن کو بد قسمتی سے ان وردیوں میں سے کوئی وردی نہ مل سکی ہو۔ میں علم کی آفاقیت اور علم کی تازگی کا قائل ہوں جس میں خدا کی رہنمائی ہر دور میں شامل رہی ہے، اگر خلوص ہے اور سچی طلب ہے تو خدا کی طرف سے کسی وقت فیضان میں کمی نہیں۔

حضرات!

اس موقر دانش گاہ کے جلسۂ تقسیم اسناد میں جو فلک بوس ہمالیہ کی ایک سرسبز و حسین وادی میں منعقد ہو رہا ہے، مجھے بے اختیار وہ واقعہ یاد آتا ہے جب عرب کے ایک خشک علاقہ میں ایک پہاڑ پر جو نہ بلند تھا اور نہ سرسبز (اس موقع پر مقرر نے کہا کہ وہ سرزمین خشک اور وہ پہاڑ غیر سرسبز تھا لیکن حفیظ جالندھری نے خوب کہا ہے ؎

نہ یاں پر گھانس اگتی ہے نہ یاں پر پھول کھلتے ہیں
مگر اس سرزمین سے آسماں بھی جھک کے ملتے ہیں

یہ واقعہ تقریباً چودہ سو سال پہلے پیش آیا تھا اور جس نے تاریخ انسانی ہی نہیں بلکہ تقدیر انسانی پر ایسا گہرا اور لازوال اثر ڈالا ہے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی اور جس کا اس "لوح و قلم" سے خاص تعلق ہے، جس پر علم و تہذیب اور تحقیق و تصنیف کی اساس ہے اور جس کے بغیر نہ یہ عظیم دانش گاہیں وجود میں آتیں اور نہ یہ وسیع کتب خانے جس سے دنیا کی زینت اور زندگی کی قدر و قیمت ہے، میری مراد پہلی وحی کے واقعہ سے ہے جو ۱۲/فروری ۶۱۱ء کے لگ بھگ نبی عربی محمدؐ پر مکہ کے قریب غار حرا میں نازل ہوئی، اس کے الفاظ یہ تھے:

"اِقرَا بِاسمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ ۔ خَلَقَ الاِنسَانَ مِن عَلَقٍ ۔ اِقرَا وَ رَبُّکَ الاَکرَمُ ۔ الَّذِی عَلَّمَ بِالقَلَمِ ۔ عَلَّمَ الاِنسَانَ مَا لَم یَعلَم"

”(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا، جس نے انسانوں کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسانوں کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔“

خالق کائنات نے اپنی وحی کی اس پہلی قسط اور باران رحمت کے اس پہلے چھینٹے میں بھی اس حقیقت کے اعلان کو مؤخر و ملتوی نہیں فرمایا کہ علم کی قسمت سے وابستہ ہے غار حرا کی اس تنہائی میں جہاں ایک نبی اُمّی اللہ کی طرف سے دنیا کی ہدایت کے لیے پیغام لینے گیا تھا اور جس کا یہ حال تھا کہ اس نے قلم کو حرکت دینا خود بھی نہیں سیکھا تھا۔ جو قلم کے فن سے یکسر واقف نہ تھا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر کہیں مل سکتی ہے؟ اور اس بلندی کا تصور بھی ہوسکتا ہے کہ اس نبی اُمّی پر ایک امتِ اُمّی اور ایک ناخواندہ ملک کے درمیان (جہاں جامعات اور دانش گاہیں تو بڑی چیز ہیں حرف شناسی بھی عام نہیں تھی) پہلی بار وحی نازل ہوتی ہے اور آسمان وزمین کا رابطہ صدیوں کے بعد قائم ہوتا ہے تو اس کی ابتدا ہوتی ہے ”اقرا“ سے جو خود پڑھا ہوا نہیں تھا اس پر جو وحی نازل ہوتی ہے اس میں اس کو خطاب کیا جاتا ہے کہ ”پڑھو“۔ یہ اشارہ تھا اس طرف کہ آپ کو جو امت دی جانے والی ہے وہ امت صرف طالب علم ہی نہ ہوگی بلکہ معلم، عالم اور علم آموز ہوگی، وہ علم کو اس دنیا میں اشاعت کرنے والی ہوگی۔ جو دور آپ کے حصے میں آیا ہے وہ دور ”اُمّیت“ کا دور نہیں ہوگا، وہ دور وحشت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور جہالت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور علم دشمنی کا دور نہیں ہوگا، وہ دور علم کا دور ہوگا عقل کا دور ہوگا حکمت کا دور ہوگا، تعمیر کا دور ہوگا، انسان دوستی کا دور ہوگا، وہ دور ترقی کا دور ہوگا۔

بِاسمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ (اس پروردگار کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا) بڑی غلطی یہ تھی کہ علم کا رشتہ رب سے ٹوٹ گیا تھا، اس لیے علم سیدھے راستے سے ہٹ گیا تھا، اس ٹوٹے ہوئے رشتہ کو یہاں جوڑا گیا۔ جب علم کو یاد کیا گیا، اس کو یہ عزت بخشی گئی تو اس کے ساتھ ساتھ اس کی بھی آگاہی دی گئی کہ اس علم کی ابتدا ”اسم رب“ سے ہونی چاہیے، اس لیے کہ علم اسی کا دیا ہوا ہے، اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور اسی کی رہنمائی میں یہ متوازن ترقی کرسکتا ہے۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی انقلاب آفریں، انقلاب انگیز اور صاعقہ آسا آواز تھی جو ہماری دنیا کے کانوں نے سنی تھی، جس کا کوئی تصور نہیں کرسکتا تھا۔ اگر دنیا کے ادیبوں اور دانشوروں کو دعوت دی جاتی کہ آپ لوگ قیاس کیجیے کہ جو وحی نازل ہونے والی ہے اس کی ابتدا کس چیز سے ہوگی؟ اس میں کس چیز کو اوّلیت دی جائے گی؟ تو میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے ایک آدمی بھی جو اس اُمّی قوم اور اس کے مزاج اور دماغ سے واقف تھا، یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ”اقرا“ کے لفظ سے شروع ہوگی۔

یہ ایک انقلاب انگیز دعوت تھی کہ علم کا سفر خدائے حکیم و علیم کی رہنمائی میں شروع کیا جانا چاہیے اس لیے کہ سفر بہت طویل، پُر پیچ اور بہت پُرخطر ہے، یہاں دن دہاڑے قافلے لٹتے ہیں، قدم قدم پر مہیب و عمیق گھاٹیاں ہیں، گہرے دریا ہیں، قدم قدم پر سانپ اور بچھو ہیں اس لیے اس میں ایک رہبر کامل کی رفاقت ہونی چاہیے اور وہ رہبر کامل حقیقتاً خدا کی ذات ہے۔ مجرد علم و ادب نہیں، وہ علم مقصود نہیں جو بیل بوٹے بنانے کا نام ہے، جو محض کھلونوں سے کھیلنے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو محض دل بہلانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو ایک دوسرے سے لڑانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو قوموں کو قوموں سے ٹکرانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو اپنے معدہ کی خندق کو بھرنے کا ذریعہ سکھانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو زبان کو صرف استعمال کرنا سکھاتا ہے بلکہ

”اِقرَا بِاسمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ ۔ خَلَقَ الاِنسَانَ مِن عَلَقٍ۔ اِقرَا وَ رَبُّکَ الأکرَمُ۔ الَّذِی عَلَّمَ بِالقَلَمِ۔ عَلَّمَ الاِنسَانَ مَالَم یَعلَم“

پڑھو تمہارا رب بڑا کریم ہے، وہ تمہاری ضرورتوں سے، تمہاری کمزوریوں سے کیسے ناآشنا ہوسکتا ہے۔ اِقرَا وَ رَبُّکَ الأکرَمُ۔ الَّذِی عَلَّمَ بِالقَلَمِ آپ خیال کیجیے کہ قلم کا رتبہ اس سے زیادہ کس نے بڑھایا ہوگا کہ اس غار حرا کی پہلی وحی نے بھی قلم کو فراموش نہیں کیا، وہ قلم جو شاید ڈھونڈنے سے بھی مکہ میں کسی گھر میں نہ ملتا اگر آپ اسے تلاش کرنے کے لیے نکلتے تو شاید معلوم نہیں کسی ورقہ بن نوفل (عہد بعثت کے ایک عرب فاضل جو توراۃ و انجیل کے بڑے عالم تھے اور عبرانی زبان سے خوب واقف تھے) کے یا کسی ”کاتب“ (عرب میں پڑھے لکھے آدمی کو ”کاتب“ کہتے تھے) کے جو دیار عجم سے کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ کر آیا ہو گھر میں ملتا۔

اور پھر ایک بہت بڑی انقلاب انگیز اور

لافانی حقیقت بیان کی کہ علم کی کوئی انتہا نہیں "عَلَّمَ الاِنسَانَ مَا لَم یَعلَم" "انسان کو سکھایا جس کا اس کو پہلے سے علم نہ تھا"۔ سائنس کیا ہے؟ ٹیکنالوجی کیا ہے؟ انسان چاند پر جارہا ہے، خلا کو ہم نے طے کرلیا ہے، دنیا کی طنابیں کھینچ لی ہیں، یہ سب "عَلَّمَ الاِنسَانَ مَالَم یَعلَم" کا کرشمہ نہیں تو کیا ہے؟

حضرات!

اجازت دیجیے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وادئ علم کے ایک مسافر کی حیثیت سے کچھ مشورے اور کچھ تجربے پیش کروں۔

جامعات کا پہلا کام سیرت سازی ہے، یونیورسٹی ایسا کیرکٹر بنائے جو اپنے ضمیر کو بقول اقبالؒ:

ایک کفِ جَو کے بدلے میں بیچنے کے لیے تیار نہ ہو۔

آج کل کے فلسفے اور نظام یہ سمجھتے ہیں کہ اس بازار میں سب کی قیمت مقرر ہے، کوئی اگر کم قیمت پر نہیں خریدا جاسکتا تو زیادہ قیمت پر خرید لیا جائے گا؟ ایک جامعہ کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ سیرت سازی کا کام کرے، وہ ایسے صاحب علم افراد پیدا کرے جو اپنے ضمیر کا سودا نہ کرسکیں، جن کو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی تخریبی فلسفہ، کوئی غلط دعوت و تحریک کسی دام خرید نہ سکے، جو اقبال کے الفاظ میں پورے اعتماد و افتخار کے ساتھ کہہ سکیں۔

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلامِ طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

دوسرا فرض یہ ہے کہ ہماری جامعات سے ایسے نوجوان نکلیں جو اپنی زندگیاں حق وصداقت اور علم و ہدایت کے لیے قربان کرنے کے لیے تیار ہوں جن کو کسی کے لیے بھوکا رہنے میں وہ لذت آئے جو کسی کو پیٹ بھر کر کھانے اور "نائے و نوش" میں آتی ہے۔ جن کو کھانے میں وہ مسرت حاصل ہو جو بعض اوقات کسی کو پانے میں نہیں ہوتی، جو اپنی جوانی کی بہترین توانائیاں، ذہن کی بہترین صلاحیتیں اور اپنے جامعہ کا بہترین عطیہ جس سے ان کی جھولی بھر دی گئی ہے، انسانیت کو تباہی سے بچانے کے لیے صرف کریں۔

دانش گاہوں کو دیکھنا چاہیے کہ وہ اعلیٰ صلاحیت کے لوگ کتنی تعداد میں پیدا کر رہی ہیں؟ میں صفائی سے کہتا ہوں کہ اب کسی ملک کی یہ تعریف نہیں کہ وہاں بڑی تعداد میں یونیورسٹیاں ہیں، یہ کوتاہ نظری اب بہت پرانی ہوگئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ علم کے شوق میں، جستجو کی راہ میں علم و اخلاق کے پھیلانے اور برائیوں، بداخلاقیوں، سفاکی و درندگی، دولت وقوت کی پرستش کو روکنے کے لیے کتنے آدمی اپنی زندگیاں وقف کرتے ہیں۔ اپنی قوم کو صاحب شعور، مہذب اور باضمیر قوم بنانے کے لیے کتنی تعداد میں نوجوان موجود ہیں جو اپنی ذاتی سربلندی اور ترقی سے آنکھیں بند کرکے اس مقصد کے لیے اپنے کو وقف کرتے ہیں۔ اصل معیار یہ ہے کہ کتنے نوجوان ایسے ہیں جو دنیا کی تمام آسائشوں اور ترقیوں سے آنکھیں بند کرکے کسی گوشے میں ٹھوس علمی و تعمیری کام کررہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ادب، شاعری، فنون لطیفہ، حکمت و فلسفہ، تصنیف و تالیف سب کا مقصد یہ ہے کہ ملک وملت میں ایک نئی زندگی اور روح پیدا ہو اور وہ سراب کی نمو اور شعلہ کی بھڑک نہ ہو۔ میں اس وقت ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال کے یہ شعر پڑھوں گا جو انھوں نے اگرچہ کسی ادیب یا شاعر سے مخاطب ہو کر کہے تھے لیکن یہ علم و ادب، فلسفہ وحکمت سب پر صادق آتے ہیں۔

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا

حضرات!

اب آخر میں مجھے اپنے ان قابل مبارکباد بھائیوں سے جو یہاں سے سند لے کے جارہے ہیں یا ان خوش نصیب عزیزوں سے جو ابھی اس چمن علم کی خوشہ چینی میں مصروف ہیں، کچھ کہنے کی اجازت دیجیے۔ میں اپنی بات کہنے میں (جو شاید کسی قدر خشک اور سنجیدہ ہو) ایک دلچسپ کہانی کا سہارا لوں گا جو شاید آپ کے کانوں کا ذائقہ تبدیل کرنے میں مدد کرے۔

"راوی صادق البیان کہتا ہے کہ ایک بار چند طلباء تفریح کے لیے ایک کشتی پر سوار ہوئے طبیعت موج پر تھی، وقت سہانا تھا، ہوا نشاط انگیز اور کیف آور تھی اور کام کچھ نہ تھا۔ یہ نوعمر طلباء خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے، جاہل ملاح دلچسپی کا اچھا ذریعہ اور فقرہ بازی مذاق و تفریح طبع کے

لیے بے حد موزوں تھا، چنانچہ ایک تیز وطرار صاحبزادے نے اس سے مخاطب ہو کر کہا ’’چچا میاں آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں؟‘‘ ملاح نے جواب دیا ’’میاں میں نے کچھ پڑھا لکھا نہیں‘‘، صاحبزادے نے ٹھنڈی سانس بھر کہا ’’ارے آپ نے سائنس نہیں پڑھی‘‘ ملاح نے کہا ’’میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا۔‘‘

دوسرے صاحبزادے بولے ’’جامیٹری اور الجبرا تو آپ ضرور جانتے ہوں گے؟‘‘ ملاح نے کہا ’’حضور یہ نام میرے لیے بالکل نئے ہیں۔‘‘

اب تیسرے صاحبزادے نے شوشہ چھوڑا ’’مگر آپ نے جوگرفی اور ہسٹری تو پڑھی ہی ہوگی؟‘‘

ملاح نے جواب دیا ’’سرکار یہ شہر کے نام ہیں یا آدمی کے؟‘‘ ملاح کے اس جواب پر لڑکے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے اور انھوں نے قہقہہ لگایا پھر انھوں نے پوچھا ’’چچا میاں تمہاری عمر کیا ہوگی؟‘‘ ملاح نے بتایا ’’یہی کوئی چالیس سال‘‘ لڑکوں نے کہا ’’آپ نے اپنی آدھی عمر برباد کی اور کچھ پڑھا لکھا نہیں۔‘‘

ملاح بیچارہ خیف ہو کر رہ گیا اور چپ سادھ لی، قدرت کا تماشہ دیکھئے کہ کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آگیا، موجیں منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی تھیں اور کشتی ہچکولے لے رہی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی تب ڈوبی دریا کے سفر کا لڑکوں کا پہلا تجربہ تھا، ان کے اوسان خطا ہو گئے، چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اب جاہل ملاح کی باری آئی، اس نے بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر پوچھا ’’بھیا تم نے کون کون سے علم پڑھے ہیں؟‘‘

لڑکے اس بھولے بھالے جاہل ملاح کا مقصد نہیں سمجھ سکے اور کالج یا مدرسہ میں پڑھے ہوئے علم کی لمبی فہرست گنانی شروع کر دی اور جب یہ بھاری بھرکم اور مرعوب کن نام گنا چکے تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا ’’ٹھیک ہے یہ سب تو پڑھا لیکن کیا تیراکی بھی سیکھی ہے؟ اگر خدانخواستہ کشتی الٹ جائے تو کنارے کیسے پہنچ سکو گے؟ لڑکوں میں کوئی بھی تیرنا نہیں جانتا تھا، انھوں نے بہت افسوس کے ساتھ جواب دیا ’’چچا جان! یہی ایک علم ہم سے رہ گیا ہے، ہم اسے نہیں سیکھ سکے۔‘‘

لڑکوں کا جواب سن کر ملاح زور سے ہنسا اور کہا ’’میاں میں نے تو اپنی آدھی عمر کھوئی مگر تم نے تو پوری عمر ڈبوئی، اس لیے کہ اس طوفان میں تمہارا پڑھا لکھا کام نہ آئے گا، آج تیراکی ہی تمہاری جان بچا سکتی ہے، اور وہ تم جانتے ہی نہیں۔‘‘

(ماخوذ از ’’منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین‘‘)

آج بھی دنیا کے بڑے بڑے ترقی یافتہ ملکوں میں جو بظاہر دنیا کی قسمت کے مالک بنے ہوئے ہیں، صورت حال یہی ہے کہ زندگی کا سفینہ گرداب میں ہے، دریا کی موجیں خونخوار نہنگوں کی طرح منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی ہیں، ساحل دور ہے اور خطرہ قریب، لیکن کشتی کے معزز و لائق سواریوں کو سب کچھ آتا ہے، مگر ملاحی کا فن اور تیراکی کا علم نہیں آتا۔ دوسرے الفاظ میں انھوں نے سب کچھ سیکھا ہے، لیکن بھلے مانسوں، شریف، خداشناس اور انسانیت دوست انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کا فن نہیں سیکھا۔ اقبال نے اپنے ان اشعار میں اسی نازک صورت حال اور اس عجیب وغریب ’’تضاد‘‘ کی تصویر کھینچی ہے جس کا اس بیسویں صدی کا مہذب اور تعلیم یافتہ فرد بلکہ معاشرہ کا معاشرہ شکار ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

شریفانہ انسانی زندگی گزارنے کا بنیادی فن، خداترسی، انسان دوستی، ضبط نفس کی ہمت و صلاحیت ذاتی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دینے کی عادت، انسانیت کا احترام، انسانی جان ومال، عزت وآبرو کے تحفظ کا جذبہ، حقوق کے مطالبہ پر ادائے فرض کو ترجیح، مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت وحفاظت اور ظالموں وطاقت وروں سے پنجہ آزمائی کا حوصلہ، ان انسانوں سے جو دولت وجاہت کے سوا کوئی جوہر نہیں رکھتے، عدم مرعوبیت و بے خوفی، ہر موقع پر اور خود اپنی قوم اپنی جماعت کے مقابلے میں کلمۂ حق کہنے کی جرأت، اپنے اور پرائے کے معاملہ میں انصاف اور ترازو کی تول بھی دانا وبینا، طاقت کی نگرانی کا یقین اور اس کے سامنے جواب دہی اور حساب کا کھٹکا، یہی صحیح خوشگوار و بے خطر اور کامیاب زندگی گزارنے کی بنیادی شرطیں، اور ایک اچھے وخوش اسلوب معاشرہ، اور ایک طاقتور ومحفوظ باعزت ملک کی حقیقی ضرورتیں اور

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

فرقہ واریت کیا ہے؟

حامد کمال الدین
تلخیص: عبدالرحمن چاند پور

ایک چیز کے معنی ومفہوم کی تحدید ہوئے بغیر اس کی تعریف یا مذمت کی گردان ہونے لگ جائے تو یہ کسی فکری واردات کا سبب بن جاتی ہے۔"فرقہ واریت" ایسی ہی ایک اصطلاح ہے جس کی مذمت کا ڈھنڈورا تو بہت پیٹا جاتا ہے مگر اس کا مطلب بہت کم لوگ سمجھتے ہیں یا یوں کہیے کہ جس کی مذمت کرنے پر سب کو لگا دیا گیا ہے۔مگر اس کے مفہوم کا تعین چند لوگوں کا کام ہے۔فرقہ واریت کو آج تک کسی شخص کے ذریعے اچھا کہتے نہیں سنا گیا۔سوال یہ ہے کہ اس کا معنی کون متعین کرے؟ تفرقہ کی مذمت قرآن پاک میں کی گئی ہے۔ احادیث میں اس کی شناعت بیان ہوئی ہے۔مگر قرآن اور حدیث کے اندر کیا یہ اسی معنی میں مذموم ہے جس معنی میں اس کی مذمت ہمارا میڈیا کرتا ہے اور جس معنی میں اس کی مذمت ہمارے عوام وخواص کے یہاں ہوتی ہے یا پھر قرآن وحدیث کی مراد اس سے مختلف ہے؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تفرقہ سے متعلق کچھ ایسے مصادر سے رجوع کر لیا جائے جو امت کے یہاں تاریخی طور پر معتبر مانے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ مفسرین امت تفرقے کی کیا تفسیر کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور رہنے چاہئیں جو خیر کی طرف بلائیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم کریں، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی اور واضح ہدایت پانے کے بعد پھر اختلاف میں مبتلا ہوئے۔جنہوں نے یہ رویہ اختیار کیا وہ اس روز سخت سزا پائیں گے جبکہ کچھ لوگ سرخرو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا (جن کا منہ کالا ہوگا) ان سے کہا جائے گا کہ نعمت ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا۔ اچھا تو اب اس کفران نعمت کے صلہ میں عذاب کا مزہ چکھو۔رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو ان کو اللہ کے دامن رحمت میں جگہ ملے گی اور ہمیشہ وہ اسی حالت میں رہیں گے۔" (آل عمران: 107)

آئیے دیکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیات کی تفسیر مشہور ترین مفسر امام ابن کثیر کیا فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں ضرور ایسا گروہ ہونا چاہیے جو دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے معاملے کو لے کر کھڑا ہونے پر متعین ہو جائے **وأولئك هم المفلحون** اور یہی لوگ فلاح پائیں گے۔ضحاک کہتے ہیں۔ یہ صحابہ اور رواۃ حدیث میں سے خواص ہیں جو جہاد اور علم کا حق ادا کرتے ہیں۔"

ابوجعفر باقر کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی نے یہ آیت **ولتكم منكم امة يدعون الى الخير** پڑھی اور فرمایا یہاں خیر سے مراد قرآن اور میری سنت کی اتباع ہے۔اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اس امت کا ایک گروہ اس دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری کو اٹھائے رہے، اگرچہ یہ بات امت کے ہر فرد پر حسب استطاعت فرض ہے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے اسے چاہیے کہ ہاتھ سے روک دے، اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے، اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔" (مسلم)

جبکہ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اس کے بعد رائی کے برابر بھی ایمان نہیں رہتا۔

امام احمد حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ضرور تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرو گے یا پھر ضرور اللہ تم پر اپنے یہاں سے ایک سزا بھیجے گا پھر تم اس کو پکارو گے مگر تمہاری سنی نہیں جائے گی (بروایت مسند احمد ترمذی و ابن ماجہ)

ولا تکونوا کالذین تفرقوا، یہاں اللہ تعالیٰ اس امت کو ممانعت فرما رہا ہے کہ یہ بھی پچھلی امتوں کی طرح ہو جائے جو کہ افتراق و اختلاف کا شکار ہوئیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑ بیٹھیں جبکہ ان پر حجت قائم ہو چکی تھی۔

امام احمد عبداللہ بن یحییٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا۔ جب مکہ آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نماز ظہر ادا کرنے کے بعد کھڑے ہوئے اور کہا کہ رسول ﷺ اللہ نے فرمایا: دونوں اہل کتاب اپنے دین کے اندر 72_72 فرقوں میں بٹے اور یہ امت 73 میں بٹے گی، سب کے سب دوزخ میں جائیں گے سوائے ایک کے جو کہ اصل جماعت ہوگی اور میری امت میں بہت سے ایسے گروہ ہوں گے جن میں خواہشات ایسے سرایت کر جائیں گی جیسے باؤلے کتے کے کاٹنے سے اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے۔ کوئی رگ اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہتی۔ عرب کے لوگو! اللہ کی قسم اگر تم اس وقت اپنے نبی کے لائے ہوئے دین کو لے کر کھڑے نہ ہوئے تو دوسرے لوگ بالاولی یہ کام کرنے والے نہ ہوں گے۔

یوم تبیض وجوہ.. ان آیات کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ روز قیامت اہل سنت والجماعت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت اہل تفرقہ کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

ولا تکونوا الخ.. اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں یعنی یہود و نصاری کی طرح مت ہو جانا (عند الجمہور) اور بعض مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد اہل بدعت ہیں (تفسیر قرطبی)۔ چنانچہ تفرقے سے مراد متقدمین اہل علم کے نزدیک ٹھیک اس راستے کو ترک کرنا ہے جس پر رسول اللہ اور صحابہ کرام رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل تفرقہ سے مراد مفسرین و محدثین کے نزدیک اہل بدعات و خواہشات کے پیرو ہیں کیونکہ دین میں ایک نیا راستہ ایجاد کر کے آدمی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے سے خود بخود علیحدگی اختیار کر لیتا ہے۔ چناچہ تفرقہ بنیادی طور پر حق سے علیحدگی کا نام ہے مگر واضح رہے کہ اس سے مراد یہاں ہر وہ شخص نہیں جو کسی عملی بدعت کا شکار ہو گو عملی بدعات بھی بہت بری ہیں مگر **اہل تفرقہ سے مراد وہ اہل بدعت ہیں جو کسی اعتقادی بدعت کو اختیار کرتے ہیں جس کا صحابہ وسلف کے راستے سے متصادم ہونا اہل حق کے نزدیک واضح ہو جیسے خوارج، روافض، مرجیہ، جہمیہ، معتزلہ وغیرہ۔**

یہ تو ہوئے پرانے دور کے گمراہ فرقے۔ موجودہ دور میں بھی بہت سے ایسے فرقے ہیں جو اہل سنت والجماعت کے مسلک سے منحرف ہیں۔ مثلاً اہل قرآن، منکرین حدیث وغیرہ نیز سیکولر نظریات کے پیروکار نیچریت، عقل پرستی، قوم پرستی، جیسے نظریات کو بھی بہت سے علماء نے بدعتی ٹولوں میں شمار کیا ہے، یہ سب فرقے اہل تفرقہ ہیں۔ ان سب کو جس حال میں وہ ہیں اکھٹا ہونے کے لیے کہنا اپنے اختلافات پر مٹی ڈالنے کے لیے کہنا وحدت امت نہیں ہے، ہاں البتہ ان کو حق پر لے آنے کی کوشش کرنا، ان کو احسن انداز میں دین کی حقیقت کو سمجھانا اور اس معنی میں امت کی شیرازہ بندی کرنا ضرور دین میں مطلوب ہے۔ خاص طور پر اس لیے کہ حق سے جہالت اس وقت معاشرے میں عام ہے اور کوئی شخص اگر کسی گمراہی پر ہے تو اس کو سب سے پہلے علم حقیقی سے آشنا کرانا ضروری ہے نہ کہ اس پر بدعتی ہونے کا فتوی لگانا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے راستے کو گمراہی مانا جائے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی امت کا بے شمار فرقوں میں بٹ جانا اور ہلاکت کا شکار ہو جانا متعدد احادیث میں وارد ہوا ہے۔ ان سب احادیث میں اللہ کے نبی نے وضاحت فرمائی ہے کہ وہ فرقے دوزخ کی راہ پر ہوں گے۔ پھر اللہ کے نبی نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ جنت کا مستحق کونسا گروہ ہوگا۔ حضور نے نام لیے بغیر ایک ایسے وصف کا ذکر فرمایا کہ جس کے اندر بھی وہ ہوگا وہی نجات کا مستحق قرار پائے گا۔ چنانچہ فرمایا وہ جماعت جنت کی حق دار رہے گی جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے پر ہو ہوگی۔

تفرقے اور تنازع کی بابت متقدمین علماء محدثین اور فقہاء اور مفسرین کی نصوص کا تتبع فرمانے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تفرقہ اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ پیدا کس طرح ہوتا ہے؟ اس کی وجوہات کیا ہیں؟ بظاہر اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی یہ کہ جہاں شریعت ہرگز اختلاف کی گنجائش نہ رکھتی ہو وہاں لوگوں کو الجھا دیا جائے جس کے نتیجے میں تفرقہ پیدا ہو جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ جہاں شریعت میں اختلاف کی گنجائش موجود ہو وہاں اختلاف کی اجازت نہ دی جائے۔

تفرقہ کی یہ دونوں صورتیں مہلک ہیں اور ایک اچھی خاصی تعداد ان میں ملوث ہے۔ خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ طبقوں میں دین پسند لوگ ''رواداری'' کے اس باطل مفہوم کا شکار ہیں۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کچھ نہ کہا جائے۔ اپنے کام سے کام رکھا جائے۔ ان کے عقیدے پر تنقید نہ کی جائے، اگر چہ وہ شرک کرتے ہوں، صحابہ سے بغض رکھتے ہوں کہ یہ اپنے اپنے عقیدہ و نظریہ کی بات ہے۔ کسی کو اس کے اعتقاد کے سلسلے میں نہ چھیڑا جائے۔ یہ بات اگر ان معاملات میں ہوتی جن کے اندر شریعت نے اختلاف کی گنجائش رکھی ہے تو کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی، مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہ بات اساس دین سے متصادم ہوتی ہے، کیونکہ دین نام ہے شرک سے بغاوت کا، توحید کے اعلان کا، صحابہ سے الفت و محبت کا اور ارکان اسلام کا، کیونکہ اگر امت کا کوئی فرد اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا رہے اور اللہ کے غیر کو حاجت روا اور مشکل کشا بھی سمجھتا رہے، ان سے مرادیں مانگتا رہے، وحدت الوجود کے نام سے خالق کو مخلوق سے اور مخلوق کو خالق سے ملاتا رہے حتیٰ کہ قانون الٰہی کو چھوڑ کر غیر اللہ کے نظام کو تسلیم کرلے تو ایسی صورت میں شرک کے ان مظاہر سے نظریں ہٹا لینا اور لوگوں کو اپنے اپنے اعتقاد پر چھوڑ دینا دراصل تفرقہ کی اجازت دینا ہے کیونکہ یہاں کوئی صفات باری تعالیٰ کا منکر ہے، کسی کو سنت رسول کی حجیت سے انکار ہے، کوئی نیچریت کے فلسفوں سے متأثر ہے، کوئی دین کے مسلمہ اصولوں کو نظر ثانی کے قابل سمجھتا ہے، کوئی سیکولرزم کو داخل اسلام کرنے کے درپے ہے تو کوئی خوارج و روافض کی چال چل رہا ہے، الغرض ان کو ایسا کرنے دینا دین کو مسخ کرنے کی اجازت دینا ہے۔ ان گمراہ راستوں پر چلنے والوں کا اتحاد اسلام کو ہرگز مطلوب نہیں۔

الغرض وہ مسائل جن کے اندر شریعت اختلاف کی کسی بھی صورت کی اجازت نہیں دیتی یہ اصول دین ہیں، شریعت کے مسلمات ہیں، اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔ تفرقہ کی دوسری صورت یعنی جہاں شرعاً اختلاف کی گنجائش ہو وہاں لوگوں کو اختلاف کا حق نہ دینا ہے۔ **علماء و فقہائے امت کی ایک غالب اکثریت بشمول حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، اہل حدیث وغیرا ایسے فقہی مسالک کو فرقہ ناجیہ میں شمار کرتی ہے۔ ما انا علیہ واصحابی کا مصداق مانتی ہے۔ ایسے فقہی مسالک کے متعلق کسی ایک انتہا کا شکار ہونا تفرقہ کی دوسری صورت ہے۔ بہت سے متشدد لوگ جس کا شکار ہیں۔ حالانکہ یہ اختلاف مذموم نہیں بلکہ محمود ہے۔** جس کے متعلق قرآن پاک میں ہے کہ آپس میں جھگڑے میں مت پڑ نا ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صحابہ کرام سے بہتر دور اس امت پر نہیں آسکتا۔ ایسے مسائل میں اختلاف صحابہ کرامؓ کے دور میں ہوا ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر اللہ کے نبی نے اعلان فرمایا کہ کوئی شخص ظہر کی نماز نہ پڑھے جب تک کہ بنو قریظہ نہ پہنچ جائے۔ راستے میں کچھ لوگوں کو اندیشہ ہوا کہ نماز کا وقت نکلنے والا ہے، انہوں نے بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں نماز پڑھ لی۔ دوسرے لوگوں نے کہا کہ ہم تو نماز وہیں جا کر پڑھیں گے جیسا کہ اللہ کے نبی نے حکم دیا ہے، چاہے وقت نکل ہی کیوں نہ جائے۔ چنانچہ جب یہ مسئلہ رسولؐ اللہ کی عدالت میں پہنچتا ہے تو پیغمبرؐ سکوت فرماتے ہیں اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ پیغمبر کا سکوت فرمانا باقاعدہ شریعت ہوا کرتا ہے۔

تو اس واقعہ سے پتہ چلا کہ اس شخص کی جو آیت یا حدیث کے ظاہری معنی سے استدلال کرے نہ تو مذمت کی جائے گی اور نہ ہی اس کی کوئی عیب جوئی ہوگی اور استدلال کا حق اہل علم کو ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ کیونکہ دین کے اصول و فروع کا علم نہ ہونے کی وجہ سے معاملہ یہ ہو جاتا ہے کہ جس چیز کو وحدت امت کا نسخہ جان لیا جاتا ہے احادیث کی رو سے وہ عین تفرقہ ہوتا ہے۔ جہاں تک فرقہ واریت کو ختم کرنے کا تعلق ہے تو یہ بات خوب اچھی طرح جان لیجئے کہ آپ اس بات کے بالکل مکلف نہیں ہیں کہ آپ اس کو ہر حال میں ختم ہی کر کے رہیں گے بلکہ فتنوں کی صورت میں اپنا کردار متعین کرنے کا ہمیں مکلف بنایا گیا ہے۔ تفرقے سے نبرد آزما ہونے سے بھی یہی مراد ہے کہ ہم اپنا وہ کردار ادا کریں جو ہم سے شرعاً مطلوب ہے۔

لہٰذا اصل سوال یہ ہونا چاہیے کہ فرقہ واریت کے فتنے کی بابت ایک مسلمان کا فرض کیا بنتا ہے؟ جہاں تک تفرقے کی پہلی صورت کا تعلق

ہے اسکی بابت ہر مسلمان پر فرض ہے کہ امت کے اندر واقع ہونے والے انحرافات اور گمراہی پر مبنی رجحانات کو پھیلنے سے روکنے کے لیے بہترین انداز میں ہر ممکن کوشش کرے۔ دین کے مسلمات میں خدا تعالی کی ذات وصفات، آخرت، تقدیر، رسالت، صحابہ واہل بیت کی حرمت، ان میں سے کسی پر بھی آنچ آنا برداشت نہ کرے، ان معاملات میں "ما انا علیه واصحابی" کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھے۔ کوئی شخص اگر لاعلمی یا غلط فہمی کے باعث دین کے مسلمات میں سے کسی امر میں انحراف کی راہ چل پڑے تو اس کو اچھے انداز سے سمجھا دینے اور بحسن وخوبی بحث و گفتگو کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اس کو صراط مستقیم دکھانا دین میں مطلوب ومحمود ہے، معاشرے میں اہل علم کی ایک معقول تعداد اگر اس مشن کو انجام دینے پر تیار ہو جاتی ہے تو تفرقے کی اس صورت کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک تفرقہ کی دوسری صورت کا تعلق ہے تو اس کا توڑ اسی صورت میں ممکن ہے کہ لوگوں میں دین کے اصول وفروع کے متعلق آگاہی پیدا کی جائے۔ اہل سنت کے یہاں جو اختلاف رہا ہے اور صحابہ کرام کے دور سے لے کر بعد کے ادوار تک اس اختلاف کو جس تحمل اور بردباری کے ساتھ برداشت کیا جاتا رہا ہے اور ان امور میں تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جس طرح آراء کے درمیان تبادلہ ہوتا اور قربت پیدا کی جاتی رہی ہے اس منہج کی تعلیم کو عام کیا جائے اور اس رجحان کو دین کے طالب علموں اور تحریک کے نوجوانوں اور دین پسند عوام میں زیادہ سے زیادہ پروان چڑھایا جائے تاکہ پھر وہ دور زندہ ہو جائے کہ مسجد ہو اور نغمۂ اذان فضا میں بلند ہو تو کوئی پیغمبر کی رفع الیدین والی سنت پر وارا جائے تو کوئی عبداللہ بن عمر کی طرح سراپا گوش بن جائے اور قرآن کی دھن میں کھو جائے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی جب
یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

●●●

علامہ قرضاوی مرحومؒ کی علماءِ امت کے نام آخری وصیت

(۱) ان کی وفاداری صرف اور صرف اللہ اور اس کے دین کے لیے ہونی چاہیے، نہ کسی قومیت کے لیے، نہ کسی وطنیت کے لیے، نہ ہی کسی تنظیم، جماعت اور شخصیت کے لیے، سوائے اتنی وفاداری کے جتنا کہ وہ اسلام سے قریب ہوں یا اس سے وابستہ ہوں۔

(۲) ہر مسئلہ میں اللہ کی کتاب اور نبیؐ کی ثابت سنتوں پر ہی اعتماد کریں، اسلام کی روح کو سمجھنے کے لیے اور اسلامی طریقہ کار پر گامزن رہنے کے لیے امت کے سلف صالحین کے اسوے سے رہنمائی حاصل کریں۔

(۳) سرکش اور جابر حکمرانوں کے سامنے کھل کر حق کا اظہار کریں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں، اس سلسلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ کریں۔

(۴) اپنے زمانے، اپنے دشمن اور اپنے زمانے کے اصل معرکہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اپنے زمانے کے اصل معرکہ اور فیصلہ کن جنگ کو چھوڑ کر فروعی، تاریخی یا غیر ضروری معرکوں میں نہ تو خود پڑیں، نہ اپنے طلبہ کو ان میں پڑنے دیں اور نہ ہی عوام کو ان کا شکار ہونے دیں۔ زمانے کے اصل معرکہ سے میری مراد مشرق ومغرب سے حملہ آور وہ رجحانات ہیں جو ہمارے بچوں کو الحاد اور بے دینی کی طرف لے جا رہے ہیں اور ہمارے شریعت اور ہمارے اقدار کو کمتر اور حقیر دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

(۵) زمانے کے علوم ومعارف سے خود کو آگاہ اور واقف رکھنے کی کوشش کریں، امام غزالی نے فلسفہ کو اسی وقت شکست دی، علوم الدین کا اسی وقت احیاء کیا، اور تہافت الفلاسفہ کو اسی وقت بیان کیا، جب انہوں نے وقت کے فلسفہ کو ہضم کر لیا تھا اور اپنے زمانے میں فلسفہ کے اساطین میں شمار ہونے لگے تھے۔

●●●

عظیم تحریکی شخصیات کی وفات

اسامہ عظیم فلاحی

عظیم تحریکی شخصیات کی وفات گزرا ایک ماہ تحریک اسلامی کے لیے انتہائی تکلیف دہ رہا ہے۔ ملکی اور عالمی سطح پر تحریک اسلامی کے عظیم رجال اس دارفانی سے کوچ کر گئے جس کی وجہ سے ایسا خلا پیدا ہوا ہے جس کی بھرپائی فی الحال دور دور تک نظر نہیں آتی۔ اس وقت ملکی اور عالمی سطح پر مسلمانوں کو جس قسم کے فکری، داخلی اور خارجی مسائل نے گھیر رکھا ہے، ایسے میں تحریک اسلامی کے عظیم رہنماؤں کی رحلت ناقابل تلافی خسارہ ہے۔ اس وقت ملت میں علماء حق کی قلت ہے، تحریک اسلامی بھی اس قلت کا سامنا کر رہی ہے، ایسے میں ان شخصیات کا جانا کسی زلزلے سے کم نہیں۔ یہ شخصیات ایک طرح سے مصدر حق اور معتمد علیہ تھیں۔ ان کی تحریریں اور نصیحتیں میدان کار کے لیے زاد رہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ فکری طور پر تحریک اسلامی یا امت کے کسی طبقہ کے طرف سے کوئی انحراف نظر آتا تو لوگوں کی نگاہیں ان حالات میں انہیں کی جانب اٹھتیں۔ یہ شخصیات فکر اسلامی کی حقیقی وارث تھیں۔

مولانا سید جلال الدین عمریؒ:

جماعت اسلامی ہند کے سابق امیر اور درجنوں کتابوں کے مصنف مولانا سید جلال الدین عمری 26 اگست کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مولانا کا شمار برصغیر کے جید علماء میں ہوتا تھا۔ آپ کی پوری زندگی غلبہ دین کی جدو جہد اور باطل افکار کے رد میں گزری۔ آپ صرف تحریک اسلامی ہند کے ہی قائد نہیں تھے بلکہ بھارت کے مسلمانوں کا متفقہ پلیٹ فارم مسلم پرسنل بورڈ کے نائب صدر، مسلم مجلس مشاورت کے فعال رکن، تحقیقات اسلامی علی گڑھ کے ناظم اور مشہور تحریکی مدرسہ جامعۃ الفلاح کے شیخ الجامعہ بھی تھے۔ خواتین کے مسائل اور ان کے حقوق پر مختلف جہتوں سے آپ کا بڑا کام ہے۔ جدید مسائل میں آپ کی تحریروں سے کوئی اہل علم صرف نظر نہیں کر سکتا۔ بھارت کے پس منظر میں آپ کی رہنمائی اور مشورے مستقبل کے لائحہ عمل کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔ تحریک اسلامی ہند میں علماء کی کمی پہلے بھی محسوس کی جاتی رہی ہے اور اس وقت مولانا کے سانحہ ارتحال کی وجہ سے یہ خلا اور بڑھ گیا ہے۔ فکری انحرافات کی روک تھام میں آپ کی شخصیت کا نمایاں کردار تھا۔ 85 سال عمر پائی اور دہلی میں تدفین ہوئی۔

مولانا نظام الدین اصلاحیؒ:

دوسری عظیم شخصیت مولانا نظام الدین اصلاحیؒ کی ہے جو جماعت اسلامی ہند کے ابتدائی لوگوں میں سے تھے۔ آپ مولانا ابو اللیث اصلاحی ندویؒ کے چچازاد بھائی تھے۔ تقسیم ہند کے بعد بھارت میں تحریک اسلامی کو مستحکم کرنے میں آپ کا کردار نمایاں رہا ہے۔ پہلے حلقہ گورکھپور پھر دس سال مدھیہ پردیش اور تقریباً چھ سال حلقہ گجرات کے امیر رہے۔ طویل مدت تک شوریٰ اور نمائندگان کے رکن رہے۔ تقریباً 55 سال تک مدرسۃ الاصلاح اور جامعۃ الفلاح میں قرآن مجید کے استاد رہے۔ اللہ تعالی نے خطابت کا ملکہ عطا کیا تھا۔ آخری عمر میں رسمی طور پر تحریک اسلامی سے تعلق ختم ہوگیا تھا لیکن آخر تک اپنے آپ کو تحریک اسلامی کا فرد کہتے رہے۔ نہایت ہی جری اور حوصلہ مند شخص تھے۔ آزمائشوں سے کبھی گھبرائے نہیں۔ حق کی خاطر دو دفعہ جیل بھی گئے۔ آپ اسلام کے غلبہ کی بات اتنی مظبوطی اور دلائل سے رکھتے تھے کہ مایوس دلوں میں امید کے شعلے بھڑک اٹھتے۔ طالبان کی فتح پر اتنا خوش ہوئے کہ تحریکی نوجوانوں کو بلا کر دعوت طعام کا اہتمام کیا۔

آپ مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی کے آخری شاگرد تھے۔ آپ نے تحریک اسلامی، مسلم مجلس مشاورت، ملکی حالات وغیرہ سے متعلق مختلف واقعات کے ریکارڈ کا ایک بڑا ذخیرہ اکٹھا کیا ہے۔ یہ ریکارڈ تقسیم ہند کے بعد مسلم جماعتوں کی تاریخ سے متعلق بنیادی مصدر ثابت ہوں گے۔ وارثین اور متعلقین کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان ریکارڈ کو مرتب کر کے شائع کریں تاکہ لوگ اس سے استفادہ کریں۔ 94 سال کی عمر میں 25 ستمبر کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آبائی وطن چاند پٹی میں تدفین ہوئی۔

مولانا عبد العلیم اصلاحیؒ:

جرات و ہمت، جہد مسلسل اور فکری پختگی کا استعارہ آپ کی ذات تھی۔ جہاں بھی گئے اپنے کردار و عمل کا گہرا نقش چھوڑا۔ مدرسۃ الاصلاح، جامعۃ الفلاح، مظہر العلوم بنارس اور آخر میں حیدرآباد میں بچیوں کا مدرسہ قائم کر کے آخر تک درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ شروع میں جماعت اسلامی سے وابستہ ہوئے لیکن پالیسی اختلاف کی وجہ سے استعفی دے دیا اور پھر آخری عمر میں وحدت اسلامی سے وابستہ ہو گئے۔ آپ کی زندگی آزمائش اور جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ آپ کے دلیر بیٹے کو حیدرآباد میں پولیس نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ آپ نے سنا تو صرف اتنا کہا کہ اللہ کی امانت تھی، اسی کے پاس چلی گئی۔ فکری طور پر آپ کا مرتبہ نہایت ہی بلند تھا۔ جماعت اسلامی اور دیگر علماء کے فکری انحرافات پر سخت اور مدلل گرفت کرتے تھے۔ اعلاء کلمۃ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ ان کی زندگی کا مشن تھا۔ آپ نے طلبہ و طالبات کی ایک بڑی تعداد تیار کر کے غلبہ دین کی جد و جہد کو آگے بڑھایا۔ آپ کا وطن اعظم گڑھ کا ایک گاؤں بندی گھاٹ تھا لیکن زندگی کے آخری چالیس سال حیدرآباد میں گزرے۔ 27 ستمبر کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ حیدرآباد میں تدفین ہوئی۔

علامہ یوسف القرضاویؒ:

آپ نہ صرف تحریک اسلامی کے بلکہ عالمی سطح پر اکیسویں صدی کے عظیم ترین عالم دین تھے۔ آپ مصر میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں ہی عالم عرب کی عظیم اسلامی تحریک الاخوان المسلمون سے وابستہ ہو گئے اور سب کچھ غلبہ دین کے لیے نچھاور کر دیا۔ مصر کی جیلوں میں رہے اور پھر ہجرت کر کے قطر میں مقیم ہو گئے۔ قطر سے عالمی سطح پر اپنی علمی اور تحریکی جد و جہد کو جاری رکھا۔ دور جدید کے مسائل کو سامنے رکھ کر آپ نے سینکڑوں کتابیں لکھیں جن کا بعد میں دنیا بھر کی زبانوں ترجمہ بھی ہوا۔ آپ عالمی سطح پر تحریک اسلامی کے سب سے بڑے فکری مربی اور رہنما تھے۔ آپ عالمی سطح پر علماء کی تنظیم کے سربراہ بھی تھے۔ عظیم دینی خدمات کی وجہ سے آپ کو شاہ فیصل ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ عرب بہاریہ کے بعد بعض حکمرانوں کے عتاب کا بھی شکار ہوئے لیکن کبھی اپنے موقف سے ہٹے نہیں بلکہ ثابت قدم رہے اور حق کا اعلان کرتے رہے۔ آپ کی ذات اسلام دشمن، صلیبیوں اور صیہونیوں کے لیے ایک بڑا چیلنج تھی۔ آپ ان کے مکر و کید سے امت کو واقف کراتے رہتے تھے اور ان سے مقابلہ بھی کرتے تھے۔ آپ کی چند مشہور کتابیں درج ذیل ہیں:

دین میں ترجیحات
اسلام میں حلال و حرام
سیکولرازم اور اسلام
اسلام اور زندگی
فقہ الزکاۃ
فقہ الجہاد
فقہ الصلوۃ
غلبہ اسلام کی بشارتیں
وقت کی اہمیت
اسلام میں عورت کا مقام
بگاڑ کہاں ہے؟
فقہ الاقلیات
دعوت دین کے عملی تقاضے
اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق
اخوان المسلمون کا تربیتی نظام
غلبہ اسلام کی بشارتیں
ایمان اور زندگی
داعی کا منصب حقیقی
اسلام میں حلال و حرام
فتاویٰ (دو جلدیں)
اسلام اور فنون لطیفہ
سید مودودیؒ مصلح مجدد وغیرہ۔

96 سال کی عمر میں آپ کی وفات 27 ستمبر کو قطر میں ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ میں عالمی شخصیات شریک ہوئی اور ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ آپ کی وفات عالمی سطح پر مسلمانوں کے لیے عظیم خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو انکا نعم البدل عطاء فرمائے۔ آمین

●●●

اسلام کا نظریۂ تعلیم

ابوالفیض اعظمی

پروفیسر خورشید احمد کا شمار برصغیر کے ممتاز دانشوروں میں ہوتا ہے۔آپ ماہر تعلیم، ماہر اقتصادیات اور ایک بلند پایہ مصنف ہونے کے ساتھ ہی مبلغ اسلام کے طور پر بھی جانے جاتے ہیں۔آپ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اسلامی معاشیات کو بطور علمی شعبہ کے ترقی دی۔آپ کی مشہور کتابوں میں ''مذہب اور دور جدید، اسلامی فلسفہ حیات، اسلامی نظام حیات، اسلامی تحریک درپیش چیلنج، ترقیاتی پالیسی کی اسلامی تشکیل، امریکہ مسلم دنیا کی بے اطمینانی ۱۱ر ستمبر سے پہلے اور بعد، تفہیم القرآن ایک کتاب انقلاب، دہشت گردی کے خلاف جنگ پاک امریکہ تعلقات کے اثرات'' وغیرہ ہیں۔

زیر نظر کتابچہ (اسلام کا نظریۂ تعلیم) جس عنوان کے تحت لکھا گیا ہے اس موضوع کے سلسلے میں عوام کو ہمیشہ گمراہ کیا گیا اور اسلامی تعلیم کے جو اثرات معاشرے پر پڑتے ہیں اسے چھپانے کی مکمل کوشش کی گئی۔اہل کفر اپنی نظروں کے سامنے کسی بھی صورت میں اسلام کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے، ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ ان سے جتنا ہوسکے وہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کریں۔اگر ہم ان کی سازشوں پر تھوڑا غور کریں تو بہت سے پہلو ہمارے سامنے بھی آجاتے ہیں۔مثلاً انھوں نے مسلمانوں کے درمیان مسلکی منافرت کو بڑھاوا دیا، اس کے لیے کچھ زر پرست علماء کا سہارا لیا، کچھ کو اپنے سیاسی جال میں کچھ اس طرح پھنسایا کہ وہ صرف اور صرف پھڑ پھڑا سکیں۔ان کے ذریعہ جو پیغامات عوام تک پہنچتے ہیں وہ بھی اس نوعیت کے ہوتے ہیں جس سے احساس کمتری صاف ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے ہمارے سامنے مسلم سلاطین خواہ وہ برصغیر (ہندوپاک) کے ہوں یا دنیا کے کسی بھی خطے میں، ان کے ان کارناموں کو زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے جنگ کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا۔اس طرح سے اگر ذہن تیار کیا جائے گا اور اسلامی تعلیمات کے جو دوررس نتائج ہیں اس سے بے خبر رکھا جائے گا تو دوسرے مذہب کیا خود مسلمان بھی اسلام اور اسلامی تعلیمات کو بھی ایک الگ نظر سے دیکھیں گے اور سوچیں گے۔اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم عوام کو اسلام کے نظریۂ تعلیم سے واقف کرائیں اور اس کے نتیجے میں بننے والے معاشرے کی وہ جھلک جو عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے وقت تھی وہ بھی دکھائی جائے اور انھیں یہ بھی بتایا جائے کی دنیوی اور اخروی نجات اس کے ذریعہ ممکن ہے۔صاحب کتاب نے ''اسلام کا نظریۂ تعلیم'' کے تعلق سے لکھا ہے کہ:

''اسلام میں تعلیم کی اہمیت مسلّم ہے۔تاریخ انسانیت میں یہ منفرد مقام اسلام ہی کو حاصل ہے کہ وہ سراپا علم بن کر آیا اور تعلیمی دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا پیامبر ثابت ہوا۔اسلام کے سوا دنیا کا کوئی مذہب یا تمدن ایسا نہیں ہے جس نے تمام انسانوں کی تعلیم کو ایک بنیادی ضرورت قرار دیا ہو۔یونان اور چین نے غیر معمولی علمی اور تمدنی ترقی کی، لیکن وہ بھی تمام انسانوں کی تعلیم

کے قائل نہ تھے، بلکہ اہل علم کے ایک طبقے پر قانع ہو گئے تھے۔ افلاطون اپنی ''جمہوریہ'' میں جو اونچے سے اونچا خواب دیکھ سکا، اس میں بھی فلاسفہ اور اہل نظر کے ایک مخصوص طبقے ہی کو اس امتیاز سے نوازا گیا ہے۔''(ص:۵)

اس کتابچہ میں مصنف نے ''تعلیم کیا ہے؟، بے عقیدہ تعلیم کے نتائج، تعلیم کے اسلامی اصول، تعلیم کی تاریخی روایت، دور نبویؐ میں تعلیمی روایت، ادوار مابعد اور برعظیم میں تعلیمی روایت کا ارتقاء'' جیسے عنوان کے تحت گفتگو کی ہے۔

''تعلیم کیا ہے؟'' کے تحت صاحب کتاب ایک جگہ لکھتے ہیں:

''تعلیم صرف تدریس عام ہی کا نام نہیں ہے، یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے ایک قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے اور یہ عمل اس قوم کو تشکیل دینے والے افراد کے احساس وشعور کو نکھارنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔''(ص:۶)

اسی میں آگے ''ایک غلط فہمی کا ازالہ'' کے تحت موصوف لکھتے ہیں:

''تعلیم کسی قوم کے سماجی نظریات اور ثقافت سے گہرے طور پر مربوط ہوتی ہے۔ بنا بریں کسی قوم کا نظام تعلیم اپنے مزاج، مواد اور موضوعات کے اعتبار سے نہ تو نظریاتی رنگ سے خالی ہوسکتا ہے اور نہ اتنی معروضیت ممکن ہے کہ اسے اقدار کی گرفت سے آزاد قرار دیا جاسکے۔ لیکن عہد جدید میں لبرلزم اور انفرادیت پسندی کے علم برداروں نے تعلیمی دنیا میں اس غلط فہمی کو بڑے زور وشور سے رائج کرنے کی کوشش کی ہے کہ تعلیم تہذیبی اقدار اور معیارات خیر وشر کے سلسلے میں بالکل اسی طرح غیر جانب دار ہوسکتی ہے جس طرح طبیعی علوم، اس غلط تصور کی بنا پر تعلیم کو مذہب اور اخلاقی اقدار سے الگ کردیا گیا اور یہ کہا جانے لگا کہ طالب علم کو اپنی صلاحیت کے مطابق نشوونما پانے کے لیے پوری آزادی ملنی چاہیے اور اس کی فکر یا کردار کو کسی مخصوص سانچے میں ڈھالنے کے لیے کوئی بیرونی دباؤ نہیں ہونا چاہیے۔''(ص:۸،۹)

صاحب کتاب آگے ''بے عقیدہ تعلیم کے نتائج'' پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بے عقیدہ تعلیم نئی نسل کے قلب روح میں اخلاقی اقدار کو اجاگر کرنے میں ناکام رہتی ہے اس کا تعلق صرف دماغ کے مطالبات سے ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم اس وقت حقیقی دوست اور رہنما کا کام کرسکتا ہے، جب اس کا محور دل ہو ورنہ صرف تن پرستی کے چکر میں یہ انسان کے لیے سانپ جیسا خطرناک بھی ہوسکتا ہے۔''(ص:۹)

پروفیسر صاحب اسی میں آگے کچھ مغربی مفکرین کا اقتباس نقل کرتے ہیں جنھوں نے بے عقیدہ تعلیم کے نقصانات کے بارے میں لکھا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

''ان نئے خیالات سے پتہ چلتا ہے کہ مغرب میں بھی بے عقیدہ اور غیر جانب دارانہ تعلیم کا نظریہ دم توڑ رہا ہے اور مغرب کے اکثر ماہرین تعلیم اور علمائے عمرانیات یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ تہذیب وتمدن کی ترقی اور ثقافت کی راہ میں یہ نظریہ کس قدر نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔''(ص:۱۱)

کتابچے میں اگلی بحث ''تعلیم کے اسلامی اصول'' پر ہے جس میں موصوف نے ''تصور علم، مقصد تعلیم، انفرادیت اور اجتماعیت میں توازن، علم کی وحدت اور ہم آہنگی، تعمیر کردار، تکمیل حیات'' وغیرہ عناوین پر بحث کی ہے۔ پروفیسر صاحب ''تصور علم'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اسلام نے جو تصور علم دیا ہے اس میں سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ علم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ علم اشیاء اسی کا دیا ہوا ہے اور انسان کی ہدایت کا علم بھی اسی کی طرف سے ہے۔ حواس اور عقل وتجربہ بڑے اہم ذرائع علم ہیں لیکن وحی سب سے اعلیٰ ذریعہ علم ہے۔ اسلام میں علم کا جو تصور ہے اس میں علم اور تربیت دونوں کو یکساں اہمیت دی گئی ہے اور ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ نفس دونوں کو ساتھ ساتھ انجام دینا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مخصوص نظام تعلیم میں تعلیم اور سیرت سازی ایک ہی حقیقت کے دو پہلو رہے ہیں اور اس کا اظہار علم وفضل کی اصطلاح سے بھی ہوتا ہے، جو علم اور نیکی اور اخلاق حسنہ میں بڑے ہونے کے مفہوم کو ادا کرتی ہے۔''(ص:۱۳)

''علم کی وحدت اور ہم آہنگی'' کے تعلق سے موصوف لکھتے ہیں:

''تعلیم کا ایک اور اصول یہ ہے کہ طالب علم کو متوازن اور ہم آہنگ تعلیم حاصل ہو۔ اس میں اتنی قابلیت پیدا ہونی چاہیے کہ وہ دنیا کی رنگارنگ بوقلمونیوں کے درمیان زندگی اور کائنات کی وحدت کو دیکھ سکے۔ اسلام راہ وسط کا داعی ہے اور اس کا نصب العین متوازن شخصیت کی تعمیر وارتقاء ہے۔ رسول کریمؐ کے فرمان کے مطابق فکر اور عمل کا توازن نبوت کی خصوصیت میں سے ایک

ہے ۔ یہ اس حقیقت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن تمام علوم کا سرچشمہ ہے ۔ یہ وہ کتاب ہے جو علم کے ہر متلاشی کا ذہن تشکیل کرے گی اور اس کا سوچنے کا انداز متعین کرے گی خواہ ان کے حصول علم کا میدان کچھ بھی کیوں نہ ہو۔‘‘(ص:۱۷)

آگے ’’تکمیل حیات‘‘ کے تعلق سے لکھتے ہیں:

’’اسلام کی نظر میں انسانی محنت اور مشقت نہایت ہی قابل قدر ہے ۔ اسلام ہر فرد کو اپنی روزی خود کمانے کے قابل بناتا ہے ۔ پس تعلیم کو دیانتدارانہ، منصفانہ اور معقول معاش کے حصول میں ممد و معاون ہونا چاہیے ۔ علاوہ ازیں تعلیم کو معاشرے کی اقتصادی ، سماجی ، سائنسی اور فنی ضروریات پوری کرنی چاہئیں ۔ ان ضروریات کو نہ صرف یہ کہ نظر انداز نہیں کرنا چاہیے بلکہ تعلیم کو ان کی تکمیل کے لیے مثبت طور پر کام کرنا چاہیے ۔ پھر تعلیم میں اتنا عنصر ضرور ہونا چاہیے کہ ہر فرد معاشی استحکام حاصل کر سکے ۔‘‘ (ص:۱۹)

پروفیسر صاحب نے ’’تعلیم کی تاریخی روایت‘‘ کا جائزہ لیا ہے، اس میں انھوں نے ’’دور نبوی میں تعلیمی روایت، ادوار مابعد ، برعظیم میں تعلیمی روایت کا ارتقاء‘‘ وغیرہ موضوعات پر بات کی ہے ۔

’’دور نبوی میں تعلیمی روایت‘‘ کے تعلق سے کچھ بنیادی باتیں پیش کی ہیں ۔ موصوف اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’(الف) اولین چیز دینی تعلیم ہے ۔ قرآن اور سنت نبوی کو نصاب تعلیم کا محور ہونا چاہیے ۔

(ب) تعلیم کا مقصد اول اچھا مسلمان اور داعی الی الحق بنانا اور دوم مسلم معاشرے کی ہمہ جہت ضروریات کو پورا کرنا۔

(ج) رسول کریمؐ نے تعلیم اور مسجد کا تعلق قائم کیا ہے ۔ مسجد دینی طور پر سیاسی مرکز اور تعلیم گاہ بنی اور اس کے ذریعہ طالب علم ایک مخصوص ثقافتی ورثے کے امین بنے ۔

(د) متعلمین کے لیے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے خود محنت مزدوری کرنا اور مختلف حرفتوں کو سیکھنا اور ان سے وابستہ ہونا اچھا اور پسندیدہ قرار پایا۔

(ہ) تعلیم کی آخری ذمہ داری مسلمان معاشرے اور اسلامی ریاست پر عائد ہوتی ہے اور اسے اس مقصد کے لیے اپنے وسائل استعمال کرنے چاہئیں ۔ مسلمانوں کی قومی آمدنی اور بیت المال پر اولین حق زیر تعلیم طلبہ اور ان پر ہونے والے جملہ مصارف کا ہے ۔‘‘ (ص:۲۲)

مصنف صاحب نے ’’ادوار مابعد‘‘ میں ایک دو سلاطین اور علمی کارناموں کا ذکر کیا ہے، جس میں محمود غزنویؒ کے کارنامے بھی اہمیت کے حامل ہیں ۔ چنانچہ مصنف تاریخ فرشتہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

’’محمود غزنویؒ نے اپنی پوری مملکت میں بے شمار مدرسے قائم کیے اور اس کے زیر اثر دوسرے امراء اور ارکان دولت نے بھی یہ خدمت انجام دی ۔ تاریخ نے محمود غزنویؒ کو اس کے عسکری حملوں کی وجہ سے تو یاد رکھا ہے لیکن علم کی دنیا میں جو انقلاب آفریں اقدام اس نے کیا اس کا قرار واقعی اعتراف نہیں کیا گیا ۔ اسے تاریخ کی ستم ظریفی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے ۔‘‘ (ص:۲۳)

اس کتابچے میں آخری بحث ’’برعظیم میں تعلیمی روایت کا ارتقاء‘‘ پر ہے ۔ اس میں صاحب کتاب نے قطب الدین ایبک سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک مسلم سلاطین کے علمی کارناموں کا مختصراً جائزہ لیا ہے ۔ اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

’’تعلیم کے اس ہمہ گیر تصور اور انتظام کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ مدارس میں جو نظام تعلیم رائج تھا اس میں اگر ایک طرف قرآن ، فقہ ، منطق اور کلام کو اہمیت دی گئی تھی تو دوسری طرف تاریخ اور طبیعیات اور علم ہندسہ اور جغرافیہ کو ایک بنیادی مقام دیا گیا تھا۔‘‘

موصوف نے اورنگ زیبؒ کی ایک گفتگو نقل کی ہے جو انھوں نے ان اہل علم سے مخاطب ہو کر کی تھی جو شاہی خاندان کی تعلیم پر مامور تھے ۔ ’’کیا میرے معلم کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ مجھے اس روئے زمین کی ہر قوم کے امتیازی خصائص سے روشناس کراتا ۔ مجھے علم ہونا چاہیے کہ ان اقوام کے مسائل اور ان کی طاقت کیا ہے، ان کے آداب و اطوار ، مذہب و طرز حکومت، طریق جنگ وغیرہ کیا ہیں؟ اور وہ کون سے امور ہیں جس میں یہ دلچسپی رکھتے ہیں ۔ اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ باقاعدہ تعلیمی نصاب کے ذریعہ بتایا جائے کہ ریاست کا آغاز کیسے ہوا؟ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب کیا ہیں؟ اور وہ کون کون سے اسباب و عوامل اور حوادث ہیں جن کی بنا پر عظیم تبدیلیاں اور مہتم بالشان انقلابات رونما ہوتے رہے ہیں ۔‘‘ (ص:۲۵)

آگے لکھتے ہیں:

’’مسلمانوں کے نظام تعلیم کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ خالص عوامی تھا ۔ حکومتیں تعلیم کے

فروغ کے لیے کثیر روپیہ خرچ کرتی تھیں اور ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرتی تھیں لیکن کسی بھی زمانے میں تعلیم کا نظام حکومت کے تابع نہ تھا۔ کوئی ایک محکمہ ایسا نہ تھا جو تعلیمی اداروں پر حکومت کی طرف سے نگرانی رکھتا ہو۔ ہر مدرسہ اپنا نظام چلانے کے لیے آزاد تھا حتی کہ وہ مدارس جو صرف سرکاری خزانے سے قائم ہوتے تھے وہاں بھی اساتذہ آزاد تھے۔ تعجب یہ ہے کہ اس کے بغیر بھی پورے نظام میں غیر معمولی ہم آہنگی اور مطابقت پائی جاتی ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ہماری ثقافتی قوتوں کی گرفت معاشرے پر اتنی مضبوط تھی کہ بالکل فطری انداز میں تعلیم میں یگانگت اور یک رنگی پیدا ہوئی۔ اس آزادی کے اندر اس طرح کی فطری یگانگت کی مثال دنیا کے کسی دوسرے تمدن میں نہیں ملتی۔''(ص:۲۷)

صاحب کتاب آگے لکھتے ہیں:

''ایک اور قابل ذکر چیز یہ ہے کہ تعلیم ہمیشہ مفت رہی۔ پاک و ہند کے نظام تعلیم میں نہ صرف یہ کہ تعلیم مفت تھی بلکہ طلبہ کے بود و باش اور خورد و نوش کا بھی پورا انتظام کیا جاتا تھا اور جیب خرچ کے لیے غریب طلبہ کو سرکاری ذرائع سے اور امراء کی طرف سے وظائف دیے جاتے تھے۔''(ص:۲۹)

آگے لکھتے ہیں:

''اس نظام میں صرف استاد اور شاگرد میں قلبی تعلق ہی نہ تھا بلکہ استاد طلبہ کے تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی فکر بھی کرتے تھے۔ انھیں ہر وقت یہ خیال دامن گیر رہتا تھا کہ طلبہ کا معیار اخلاق بھی بلند ہو اور وہ اچھے انسان اور اچھے مسلمان بن کر نکلیں۔ اگر اس معاشرے میں تقویٰ، ایفائے عہد، عصمت و عفت، ایثار و قربانی، صلہ رحمی، اخلاق و مروت اور ہمدردی و اخوت کا دور دورہ تھا تو اس کی وجہ یہی تھی کہ تعلیم ایک اخلاق ساز قوت کا کردار ادا کرتی تھی۔''(ص:۳۰)

کتابچے کا اسلوب سادہ اور سلیس ہے۔ صاحب کتاب نے جس انداز سے ترتیب دیا ہے وہ بھی نرالہ ہے۔ کہنے کو تو یہ ایک کتابچہ ہے لیکن اس میں عہد نبوی سے لے کر سلاطین ہند تک کے علمی کارناموں کا مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں اسلامی نظریہ تعلیم اور اس کے ذریعہ بننے والے اسلامی معاشرے کی بھی جھلک ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ قرآن و حدیث کے حوالوں سے طرز تحریر اور بھی دلچسپ ہو جاتی ہے۔

یہ کتابچہ (اسلام کا نظریہ تعلیم) جس کے مصنف پروفیسر خورشید احمد ہیں ۳۱ صفحات پر مشتمل ہے، جس کی قیمت ۲۲ روپیہ ہے۔ اور یہ کتابچہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی سے شائع ہوا ہے۔

●●●

(بقیہ صفحہ ۳۹ کا)

دیگر علوم میں بھی درک حاصل تھا، ان کے علم سے خواتین کے ساتھ ساتھ مردوں کی بھی معتد بہ تعداد نے سیرابی حاصل کی، ان کا لقب "نفیسة العلم والمعرفه" پڑ گیا تھا، حضرت امام شافعی جیسے رفیع القدر اہل علم دینی مسائل پر ان سے تبادلۂ خیال کرتے تھے۔

یہ چند مثالیں تاریخ سے پیش کی گئی ہیں۔ ڈاکٹر اکرم ندوی نے چالیس سے زائد جلدوں میں مسلم خواتین کی صرف خدمت حدیث کے کارناموں کو اکٹھا کیا ہے۔ سوچیں بقیہ میدانوں میں کتنی بڑی تعداد خواتین کی ہوگی۔ آئے دن تحقیقات سامنے آرہی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواتین کو تعلیم کے میدان میں تاریخی کردار ادا کرنے کا موقع سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اسلام نے دیا ہے جس کی مثال آج بھی نہیں پیش کی جاسکتی۔

یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ مرد ہوں یا خواتین، علم کا مقصد ان کے نزدیک کبھی بھی حصول دنیا نہیں تھا۔ یہ علم وہ رضاء الٰہی اور انسانیت کی خدمت کے لیے حاصل کرتے تھے۔ دنیا کمانے کے لیے وہ کوئی ہنر سیکھتے یا پھر تجارت کرتے تھے۔ یہ مقصد جب سے نگاہوں سے اوجھل ہوا ہے علم انسانیت کے لیے مفید ہونے سے زیادہ نقصان دہ ہو گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ علم کو مادہ پرستی کے بجائے اعلیٰ مقاصد کے لیے حاصل کیا جائے ورنہ سماج میں تعلیم کے نام پر نقصان دہ اور مجرم قسم کے لوگ ہی نظر آئیں گے۔

●●●

تعلیم نسواں کے باب میں اسلام کا انقلابی فیصلہ

ثمرہ یعقوب فلاحی

حدیث کی معتبر کتابوں میں انصار کی عورتوں کی بہت ساری قابل ذکر تعریفیں ملتی ہیں جس میں ایک اہم تعریف ان کی اس خوبی کو بیان کرتی ہے کہ وہ اسلامی شرعی قوانین اور احکامات کے بارے میں مفید سوالات کرنے سے ہچکچاتی نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا باتوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نبی پاکؐ نے مسلمانوں میں نہ صرف علم کا شوق اجاگر کیا بلکہ اس باب میں صنفی تفریق کا خاتمہ کرکے یکساں تعلیم کے مواقع بھی فراہم کیا۔ چنانچہ باوجود شدید مصروفیات کے آپؐ نے ہفتہ میں ایک دن ان کے لیے مختص کر دیا تھا۔

تعلیم کی اسی عمومیت کے اثرات بعد کے ادوار میں نظر آتے ہیں۔ مسلم خواتین نہ صرف مروجہ علوم میں مہارت حاصل کرتی تھیں بلکہ تعلیمی ادارے بھی قائم کرتی تھیں۔

تاریخی طور پر، بعض مسلم خواتین نے کئی مذہبی تعلیمی اداروں کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا، جیسے مراکش کی جامعۃ القرویین جو کہ تاریخ کی پہلی یونیورسٹی کہلاتی ہے، اس کی بنیاد فاطمہ الفہری نامی مسلم خاتون نے رکھی۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کو مجموعی طور پر دین سے روشناس کرانے، تہذیب وثقافت سے بہرہ ور کرنے اور خصائل فاضلہ وشمائل جمیلہ سے مزین کرنے میں اس قوم کی خواتین کا اہم بلکہ مرکزی اور اساسی کردار ہوتا ہے اور قوم کے نونہالوں کی صحیح اٹھان اور صالح نشوونما میں ان کی ماؤں کا اہم رول ہوتا ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ماں کی گود بچے کا اولین مدرسہ ہے۔ اس لیے شروع ہی سے اسلام نے جس طرح مردوں کے لیے تعلیم کی تمام تر راہیں وا رکھی ہیں، ان کو ہر قسم کے مفید علم کے حصول کی نہ صرف آزادی دی ہے بلکہ اس پر ان کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے، جس کے نتیجے میں قرنِ اول سے لے کر آج تک ایک سے بڑھ کر ایک کج کلاہِ علم وفن اور تاجورِ فکر وتحقیق پیدا ہوتے رہے اور زمانہ ان کے علومِ بے پناہ کی ضیاپاشیوں سے مستنیر و مستفیض ہوتا رہا، بالکل اسی طرح اس دین حنیف نے خواتین کو بھی تمدنی، معاشرتی اور ملکی حقوق کے بہ تمام وکمال عطا کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیمی حقوق بھی اس کی صنف کا لحاظ کرتے ہوئے مکمل طور پر دیے چنانچہ ہر دور میں مردوں کے شانہ بہ شانہ دخترانِ اسلام میں ایسی باکمال خواتین بھی جنم لیتی رہیں، جنھوں نے اطاعت گزار بیٹی، وفاشعار بیوی اور سراپا شفقت بہن کا کردار نبھانے کے ساتھ ساتھ دنیا میں اپنے علم وفضل کا ڈنکا بجایا اور ان کے دم سے تحقیق و تدقیق کے لاتعداد خرمن آباد ہوئے۔ غور کیا جائے تو اس عظیم انقلاب کی پشت پر اسلام اور اس کے آخری نبی کا سب بڑا رول نظر آتا ہے۔

خواتین کی تعلیم سے متعلق روایات:

(ا) نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے:

”ثَلاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ، وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ، وَالعبدُ المَمْلُوكُ اذا أدّى حق الله، وحَقَّ مَوَالِيهِ، وَرَجُلٌ له اَمَةٌ، فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا، وَعَلَّمَهَا، فَأَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا، ثُمَّ اَعْتَقَهَا، فَتَزَوَّجَهَا، فَلَهُ أَجْرَانِ“

اس حدیث کے آخری جزء کی شرح میں ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ:

”یہ حکم صرف باندی کے لیے نہیں بلکہ اپنی

اولاد اور عام لڑکیوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔"

(۲) ایک صحابیہ حضرت شفاء بنت عدویہ تعلیم یافتہ خاتون تھیں، آپؐ نے ان سے فرمایا:

"تم نے جس طرح حفصہ کو "نملہ" (پھوڑے) کا رقیہ سکھایا ہے، اسی طرح لکھنا بھی سکھادو۔"

(۳) نبی اکرمؐ خود بھی عورتوں کی تعلیم کا اہتمام فرماتے تھے اور ان کی خواہش پر آپؐ نے باضابطہ ان کے لیے ایک دن مقرر کر دیا تھا، حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے:

"قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "غَلَبَنَ عَلَيْكَ الرِّجَالُ، فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ، فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيهِ، فَوَعَظَهُنَّ، وَأَمَرَهُنَّ"

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ بڑی دین دار اور سمجھدار خاتون تھیں، انھیں ایک دفعہ عورتوں نے اپنی طرف سے ترجمان بنا کر آپؐ کے پاس بھیجا کہ آپؐ سے دریافت کریں:

"اللہ نے آپ کو مرد و عورت ہر دو کی رہ نمائی کے لیے مبعوث فرمایا ہے؛ چنانچہ ہم آپ پر ایمان لائے اور آپؐ کی اتباع کی، مگر ہم عورتیں پردہ نشیں ہیں، گھروں میں رہنا ہوتا ہے، ہم حتی الوسع اپنے مردوں کی ہر خواہش پوری کرتی ہیں، ان کی اولاد کی پرورش و پرداخت ہمارے ذمے ہوتی ہے، ادھر مرد مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، جہاد میں شریک ہوتے ہیں، جس کی بنا پر انھیں بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے لیکن ہم عورتیں ان کے زمانۂ غیبوبت میں ان کے مال و اولاد کی حفاظت کرتی ہیں، اللہ کے رسولؐ! کیا ان صورتوں میں ہم بھی اجر و ثواب میں مردوں کی ہمسر ہو سکتی ہیں؟" آپؐ نے حضرت اسماء کی بصیرت افروز تقریر سن کر صحابہ کی طرف رخ کیا اور ان سے پوچھا: "اسماء سے پہلے تم نے دین کے متعلق کسی عورت سے اتنا عمدہ سوال سنا ہے؟" صحابہ نے نفی میں جواب دیا، اس کے بعد آپؐ نے حضرت اسماء سے فرمایا کہ:

"جاؤ اور ان عورتوں سے کہہ دو کہ:

"اَنَّ حُسْنَ تَبَعُّلِ اِحْدَاكُنَّ لِزَوْجِهَا، وَطَلَبِهَا لِمَرْضَاتِهِ، وَاتِّبَاعِهَا لِمُوَافَقَتِهِ، يَعْدِلُ كُلَّ مَا ذَكَرْتِ لِلرِّجَالِ۔"

آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ عظیم خوش خبری سن کر حضرت اسماء کا دل بلّیوں اچھلنے لگا اور تکبیر و تہلیل کہتی ہوئی واپس ہو گئیں اور دیگر عورتوں کو بھی جا کر سنایا۔

احادیث کی ان چند جھلکیوں سے یہ خوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپؐ کے زمانے میں عورتوں کے اندر حصولِ علم کے تئیں کس قدر شوق اور جذبۂ بے پایاں پایا جاتا تھا اور آپؐ بھی ان کے شوقِ طلب اور ذوقِ جستجو کی قدر کرتے ہوئے، ان کی تعلیم و تربیت کا کتنا اہتمام فرماتے تھے جس سے تعلیم کا عمومی ماحول پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت کے عمومی ماحول کا اثر:

تعلیم و تربیت کے اسی عمومی ماحول کا اثر ہے کہ جماعتِ صحابیات میں بلند پایہ اہل علم خواتین کے ذکرِ جمیل سے آج تاریخ اسلام کا ورق ورق درخشاں و تاباں ہے؛ چنانچہ یہ امر محقق ہے کہ امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ وحضرت ام سلمہؓ فقہ وحدیث و تفسیر میں رتبۂ بلند رکھنے کے ساتھ ساتھ تحقیق و درایت کے میدان کی بھی شہہ سوار تھیں، حضرت ام سلمہ کی صاحبزادی زینب بنت ابوسلمہ جو آپؐ کی پروردہ تھیں، ان کے بارے میں تاریخ کا بیان ہے کہ:

"كَانَتْ أَفْقَهَ نِسَاءِ أَهْلِ زَمَانِهَا"

"وہ اپنے زمانے کی سب سے بڑی فقیہ خاتون تھیں۔"

حضرت ام الدرداء الکبری اعلیٰ درجے کی فقیہ اور عالمہ صحابیہ تھیں۔

حضرت سمرہ بنت نہیک اسدیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ: "وہ زبردست عالمہ تھیں، عمر دراز پائیں، بازاروں میں جا کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کرتی تھیں اور لوگوں کو ان کی بے راہ روی پر کوڑوں سے مارتی تھیں۔"

پھر یہ زریں سلسلہ دورِ صحابیات تک ہی محدود نہیں رہا؛ بلکہ تابعیات اور بعد کی خواتین کے زمانوں میں بھی ہمیں اس طبقے میں بڑی بڑی عالمہ، زاہدہ اور امت کی محسنہ و باکمال خواتین ملتی ہیں؛ چنانچہ مشہور تابعی، حدیث اور فن تعبیر الرؤیا کے مستند امام حضرت محمد بن سیرین کی بہن حفصہ نے صرف بارہ سال کی عمر میں قرآن کریم کو معنی و مفہوم کے ساتھ حفظ کر لیا تھا۔ یہ فن تجوید و قراءت میں مقامِ امامت کو پہنچی ہوئی تھیں؛ چنانچہ حضرت ابن سیرین کو جب تجوید کے کسی مسئلے میں شبہ ہوتا، تو شاگردوں کو اپنی بہن سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے۔

نفیسہ جو حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب کی صاحبزادی اور حضرت اسحاق بن جعفر کی اہلیہ تھیں، انھیں تفسیر و حدیث کے علاوہ

(بقیہ صفحہ ۳۷ پر)

باغِ جنت

مرزا اسلم بیگ

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کے اچھے اچھے اعمال کا اپنے فضل و کرم سے بدلہ اور انعام دینے کے لئے آخرت میں جو شاندار مقام تیار کر رکھا ہے اُس کا نام جنت ہے اور اُسی کو بہشت بھی کہتے ہیں۔ جنت میں ہر قسم کی راحت وشادمانی و فرحت کا سامان موجود ہے۔ سونے چاندی اور موتی و جواہرات کے لمبے چوڑے اور اُونچے اُونچے محل بنے ہوئے ہیں اور جگہ جگہ ریشمی کپڑوں کے خوبصورت و نفیس خیمے لگے ہوئے ہیں۔ ہر طرف طرح طرح کے لذیذ اور دل پسند میوؤں کے گھنے، شاداب اور سایہ دار درختوں کے باغات ہیں۔ اور ان باغوں میں شیریں پانی، نفیس دودھ، عمدہ شہد اور شرابِ طہور کی نہریں جاری ہیں۔ قسم قسم کے بہترین کھانے اور طرح طرح کے پھل فروٹ صاف ستھرے اور چمکدار برتنوں میں تیار رکھے ہیں۔ اعلیٰ درجے کے ریشمی لباس اور ستاروں سے بڑھ کر چمکتے اور جگمگاتے ہوئے سونے چاندی اور موتی و جواہرات کے زیورات، اونچے اونچے تخت، اُن پر غالیچے اور چاندنیاں بچھی ہوئی اور مسندیں لگی ہوئی ہیں۔

جنت کی نعمتیں:

خدمت کے لئے خوبصورت لڑکے چاروں طرف دست بستہ ہر وقت حاضر ہیں، الغرض جنت میں ہر قسم کی بے شمار راحتیں اور نعمتیں تیار ہیں۔ اور جنت کی ہر نعمت اتنی بے نظیر اور اس قدر بے مثال ہے کہ نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی کے دل میں اس کا خیال گزرا۔ جنتی لوگ بلا روک ٹوک اُن تمام نعمتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر جنت میں سب سے بڑی یہ نعمت ملے گی کہ جنت میں جنتیوں کو خداوند قدوس عزوجل کا دیدار نصیب ہوگا۔

جنت میں نہ نیند آئے گی نہ کوئی مرض ہوگا نہ بڑھاپا آئے گا نہ موت ہوگی۔ جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور ہمیشہ تندرست اور جوان ہی رہیں گے۔ اہلِ جنت خوب کھائیں گے پئیں گے مگر نہ ان کو پیشاب پاخانہ کی حاجت ہو گی نہ وہ تھوکیں گے نہ ان کی ناک بہے گی۔ بس ایک ڈکار آئے گی اور مُشک سے زیادہ خوشبودار پسینہ بہے گا اور کھانا پینا ہضم ہوجائے گا۔ جنتی ہر قسم کی فکر سے آزاد اور رنج وغم کی زحمتوں سے محفوظ رہیں گے۔ ہمیشہ، ہر دم اور ہر قدم پر شادمانی اور مسرت کی فضاؤں میں شاد و آباد رہیں گے اور قسم قسم کی نعمتوں اور طرح طرح کی لذتوں سے لطف اندوز و محظوظ ہوتے رہیں گے۔

جنتیں کتنی ہیں؟:

جنتوں کی تعداد آٹھ ہے جن کے نام یہ ہیں:

1۔ دارالجلال

2۔ دارالقرار

3۔ دارالسلام

4۔ جنۃ عدن

5۔ جنۃ الماویٰ

6۔ جنۃ الخلد

7۔ جنۃ الفردوس

8۔ جنۃ النعیم۔

جنت کی عمارتیں:

جنت کی عمارتوں میں ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہے اور اس کا گارا نہایت ہی خوشبودار مشک ہے اور اس کی کنکریاں موتی اور یاقوت ہیں اور اس کی دھول زعفران ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ بعض عمارتیں نُور کی اور بعض یاقوت سُرخ کی اور بعض زمرد کی ہیں۔

جنت کی نہریں اور حوضِ کوثر:

جنت میں شیریں پانی، شہد، دودھ اور شراب کی نہریں بہتی ہیں۔ جب جنتی پانی کی نہر میں سے پئیں گے تو انہیں ایسی حیات ملے گی کہ پھر انہیں موت نہ آئے گی اور جب دودھ کی نہر میں سے نوش کریں گے تو ان کے بدن میں ایسی فربہی پیدا ہوگی کہ پھر کبھی لاغر نہ ہوں گے اور جب شہد کی نہر میں سے پی لیں گے تو انہیں ایسی صحت و تندرستی مل جائے گی کہ پھر کبھی وہ بیمار نہ ہوں گے اور جب شراب کی نہر میں سے پلائے جائیں گے تو انہیں ایسا نشاط اور خوشی کا سرور حاصل ہو گا کہ پھر کبھی وہ غمگین نہ ہوں گے۔ یہ چاروں نہریں ایک حوض میں گر رہی ہیں جس کا نام "حوضِ کوثر" ہے۔ یہی حوض حضورِ اکرمؐ کا وہ حوضِ کوثر ہے جو ابھی جنت کے اندر ہے لیکن قیامت کے دن میدانِ محشر میں لایا جائے گا، جہاں حضور اکرمؐ اس حوض سے اپنی اُمت کو سیراب فرمائیں گے۔

جنت کے چشمے:

اِن چاروں نہروں کے علاوہ جنت میں دوسرے چشمے بھی ہیں جن کے نام یہ ہیں:

1۔ کافور

2۔ زنجبیل

3۔ سلسبیل

4۔ رحیق

5۔ تسنیم۔

اہلِ جنت کی عمریں:

ہر جنتی خواہ بچپن میں مرا ہو یا بوڑھا ہو کر وفات پائی ہو، ہمیشہ جنت میں اُس کی عمر تیس ہی برس کی رہے گی اس سے زیادہ کبھی اس کی عمر نہیں بڑھے گی۔ اور وہ ہمیشہ اسی طرح جوان رہتے ہوئے آرام وراحت کی زندگی بسر کرتا رہے گا۔

جنت کے بازار:

ہر جمعہ کے دن جنت میں ایک بازار لگے گا کہ اُس میں شمالی ہوا چلے گی جو جنتیوں کے چہروں اور کپڑوں پر لگے گی تو اُن کے حسن و جمال میں نکھار پیدا ہو کر وہ اور زیادہ خوبصورت ہو جائیں گے اور جب وہ بازار سے پلٹ کر اپنے گھر جائیں گے تو اُن کے گھر والے کہیں گے کہ تم تو خدا کی قسم! حسن و جمال میں بہت بڑھ گئے ہو۔ تو یہ لوگ کہیں گے کہ ہمارے پیچھے تم لوگوں کا حسن و جمال بھی بہت بڑھ گیا ہے۔

جنت میں خدا عزوجل کا دیدار:

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے تو خدا عزوجل کا ایک منادی یہ اعلان کرے گا کہ اے اہلِ جنت! ابھی تمہارے لئے اللہ عزوجل کا ایک اور وعدہ بھی ہے۔ تو اہلِ جنت کہیں گے کہ اللہ عزوجل نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کر دیا ہے؟ کیا اللہ عزوجل نے ہم کو جہنم سے نجات دے کر جنت میں نہیں داخل کر دیا ہے؟ تو منادی جواب دے گا کہ کیوں نہیں! پھر ایک دم خداوند قدوس عزوجل اپنے حجاب اقدس کو دور فرمادے گا تو جنتیوں کو اس سے زیادہ جنت کی کوئی نعمت پیاری نہ ہوگی۔

چودھویں رات کا چاند:

اسی طرح بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے تو حضورِ اکرم ﷺ نے چودھویں رات کو چاند کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ عنقریب اپنے رب عزوجل کو دیکھو گے جس طرح تم لوگ چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تو اگر تم لوگوں سے ہو سکے تو نماز فجر و نماز عصر کبھی نہ چھوڑو۔

●●●

فارم نمبر چار Form (4)

مالک : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

وقفہ اشاعت : ماہانہ

مقام اشاعت : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سبھاش چوک آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

☼☼☼

(اس نظم میں علامہ اقبال نے انگریزوں کے ذریعہ کالجوں میں مسلط کئے ہوئے تعلیمی نظام کی خرابیوں اور نقائص کی نشاندہی کی ہے اور اس فاسد نظام کے اثرات سے بچنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔)

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش

معنی: ملک الموت: اللہ کے مقرب فرشتوں میں حضرت عزرائیل علیہ السلام کا لقب جو روح قبض کرتے ہیں۔

تشریح: علامہ اقبال کہتے ہیں کہ انگریزوں نے جو تعلیمی نظام ہندوستان میں نافذ کیا ہے اس کا ایک ہی مقصد ہے کہ کس طرح غلامانہ ذہنیت رکھنے والے لوگوں کی ایک نسل تیار کی جائے جو صرف اپنے معاش اور شکم پرستی کی فکر میں مبتلا ہو۔ اس نظام نے خالق کائنات سے تعلق رکھنے والی روح اور اپنی خودی و کائنات میں غور و فکر کرنے والے شعور کو مردہ کر دیا ہے۔ یعنی اس نظام نے نوجوانوں کی روح قبض کر لی ہے اور اسکو فکرِ معاش کے زہر کے ذریعہ موت کی نیند سلا دیا ہے۔ اس مدعا کو علامہ نے یوں بھی بیان کیا ہے:

وہ علم نہیں، زہر ہے احرار کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کفِ جو

دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا
زندگی موت ہے، کھو دیتی ہے جب ذوقِ خراش

معنی: حریفانہ: دشمن جیسا۔ کشاکش: کھینچا تانی، تکرار۔ خراش: چھیلن، تکلیف، خدشہ۔

تشریح: اے نوجوان! اس فاسد نظام کی چمک دمک اور تمہاری شکم پرستی نے تم کو بزدل اور مرعوب کر دیا ہے۔ تُو اس نظام کے خلاف آواز اٹھانے سے ڈر رہا ہے اور جی چرا رہا ہے۔ باطل نظام سے مرعوبیت و خوف اور اپنے ذاتی مفاد کی وجہ سے تعلیم کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کرنے سے کترا رہے ہو۔ جو شخص حق و باطل اور فاسد و صالح طریقوں میں فرق کرنے کا شعور کھو دے اور حق و صالح نظام کے لئے تکالیف اور مصائب برداشت کرنے سے فرار کی راہ اختیار کرتا ہے وہ شخص زندگی کے تمام طبعی عناصر ہونے کے باوجود مردہ اور بے روح ہے۔

اُس جُنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش

معنی: جنون: کسی چیز کی حد سے زیادہ دھن ہونا، عشقِ خدا میں غرق ہونا۔

تشریح: اے نوجوان! تیرے اسلاف خدا اور رسول کے عشق میں اتنے سرشار تھے کہ انھوں نے حق کی راہ میں آنے والی کسی بھی آزمائش اور مصیبت سے فرار کی راہ اختیار نہیں کی اور نا ہی کبھی کوئی حیلے بہانے بنائے۔ ماضی میں مسلمانوں کی سربلندی و ترقی کی وجہ یہی جنون ہی تھا۔ موجودہ تعلیمی نظام نے تمہارے اندر سے اسی عشق و جنون کو ختم کر دیا ہے اور اسی وجہ تم اس باطل نظام سے مرعوب ہو اور اس فاسد نظام مداہنت کے بہانے تلاش کر رہے ہو۔

(بقیہ صفحہ ۲۳ پر)

صفہ انٹرنیشنل ٹورس اکولہ، مہاراشٹر(انڈیا)

SUFFAH INTERNATIONAL TOURS, AKOLA (INDIA)

HAJ | UMRAH

PASSPORT | VISA

EMIGRATION

AIR TICKET

ہر ماہ گروپ
کی روانگی

SUFFAH INTERNATIONAL TOURS

SIDDIQUE TOWER, KHAN ABDUL GAFFAR MARG, TELIPURA, AKOLA (M.S)

KALEEM	UMAIR	OFFICE
+91 9823240030	+91 8888269229	+91 9823826261

NUKUSH - E - RAH

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No: G/Akl Dn/258/2022-24

SHAHEEN GROUP OF INSTITUTION'S

SHAHEEN ACADEMY
NANDED

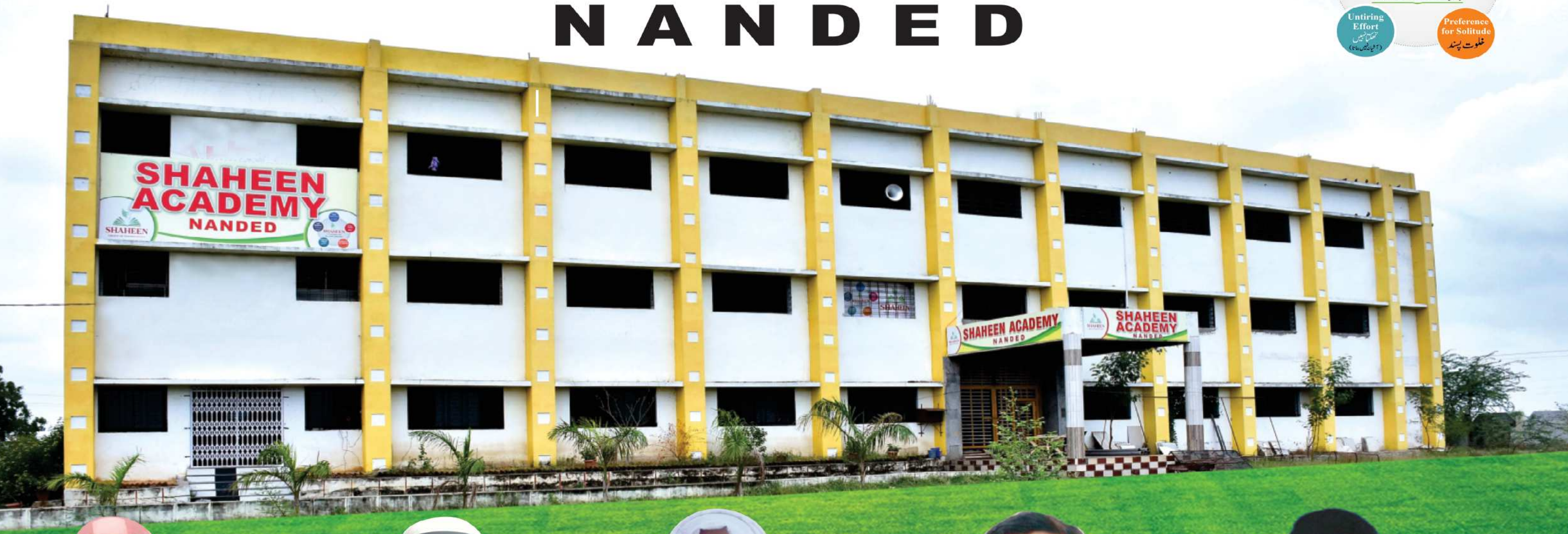

IRAM FATEMA 635	HAFSA BEGUM 605	TUBA AQSA 569	VEDANT AUSEKAR 566	MD. SHAHBAZ 518
MBBS B.J. Medical College, PUNE	MBBS Govt. Medical College, NANDED	MBBS Govt. Medical College, NANDURBAR	MBBS L.T.M. Medical College, MUMBAI	MBBS Govt. Medical College, AKOLA

ADMISSION OPEN FOR 11th, 12th & NEET REPEATER

ADMISSION OPEN FOR 8th, 9th & 10th With Foundation studies targeting NTSE & Olympiad

Separate Classes for Boys & Girls With Hostel Facility

- Quality Education With Moral Values under one roof
- Achiever IIT JEE — 2 years Integrated 11th & 12th + JEE
- Achiever Medical — 2 years Integrated 11th & 12th + NEET
- Intensive NEET — 1 year long term batch exclusive for Repeaters

CAMPUS: Hassapur, Waghi Road, Near Bypass, NANDED.

Mobile : 7758862972 / 7387420523

NUKUSH - E - RAH

1st Floor, Opp Basera Apartm
Subbash Chowk, Akola,444001

0724-2434333
nukusherah@gmail.com